S
81
ہمدم
دت بھارتی

(اس انسان کی کہانی جو زندگی دینے کیلئے پیدا ہوا تھا لینے کیلئے نہیں)

دت بھارتی

ناشر

سٹار پبلیکیشنز

۲۷۱۵۔ دریا گنج دہلی ۶

قیمت

ایک روپیہ ۱/-

سول ایجنٹس

پنجابی پستک بھنڈار

دریبہ کلاں دہلی ۶

S- "HAMDAM" R, 1/-

اُن لوگوں کے نام ——

جو دوسروں کیلئے زندہ رہتے ہیں۔

(لکھنؤ لیتھو پریس، دہلی)

گستاخی:

کسولی اس خیال سے گیا تھا کہ ناول "آدھی روٹی" کی تکمیل کر سکوں گا ـــ
لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

ناول "آدھی روٹی" ۱۹۵۴ء میں شروع کیا تھا۔ جب وہ کیس تازہ تھا۔ لیکن حالات نے اجازت نہ دی کہ اُسے پایۂ تکمیل پہنچا سکوں۔ ۶۰ء میں پہلگام میں ایک بار پھر کوشش کی۔ سو صفحے لکھے اور واپس آنا پڑا۔ اس سال کسولی گیا۔ تو وہاں ایک چھوٹی سی کہانی مِل گئی۔ وہ کہانی زیرِ مطالعہ ناولٹ "ہمدم" کی شکل میں حاضر ہے۔

اس سماج میں اچھے اور بُرے دونوں قسم کے لوگ ہیں۔ لیکن بعض اوقات اچھے لوگ اچھائی کی خاطر سزا پا لیتے ہیں۔ بُرے آدمی کو سماج یا خدا سزا دیتا ہے۔ لیکن اچھے آدمی سزا کیوں پاتے ہیں ـــ یہ میں نہیں جانتا۔

دت بھارتی

دیونگر،
نئی دہلی

"شکریہ مسز سوڈھی ـــ" اندر سنگھ ملک نے بڑھتے ہوئے کاغذات مسز سوڈھی کے ہاتھ سے لے لئے اور اُن کا معائنہ کرنے لگا۔

مسز سوڈھی نے گہرا سانس لیا۔ جیسے وہ ان کاغذات سے جدا نہ ہونا چاہتی تھی۔ ساتھ ہی اُس نے جسم پر پہنی ہوئی سفید ساڑھی کا پلّو درست کیا۔

"ممی، تم اُداس کیوں ہو ـــ؟" چھ برس کے اروند نے کہا جو مسز سوڈھی کی گود میں بیٹھا تھا۔

"نہیں بیٹا، میں اُداس نہیں ہوں ـــ" مسز سوڈھی نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"لیکن ممی تم اندر کیوں رو رہی تھیں جب تم نے ان کاغذوں پر لکھا ـــ" اروند نے سوال کیا۔

"نہیں بیٹا"

"ممی! تم نے سامان کیوں باندھ لیا ہے ـــ؟"

"بیٹا ہم جا رہے ہیں —"

"کہاں — ؟"

"انکل کے ساتھ ۔"

"انکل کے ساتھ کہاں — ؟"

"دیکھو بیٹا۔ اب تم باہر جا کر کھیلو —"

"نہیں! پہلے بتاؤ ہم کہاں جا رہے ہیں — ؟"

"دلّی —" مسز سوڈھی کو بتانا پڑا۔

"ہم وہاں کہاں رہیں گے — ؟"

"گھر میں —"

"کیا ہمارا گھر ہے وہاں ؟"

"ہاں بیٹا !"

"لیکن میں سکول کیسے جاؤں گا — ؟"

"بیٹا وہاں بہت سے سکول ہیں —"

"کیا ڈیڈی وہاں آجائیں گے — ؟"

"ہاں —" مسز سوڈھی نے کہا — اور آنسو چھپانے کیلئے موہنہ دوسری طرف کر لیا۔ تاکہ اروند نہ دیکھ سکے۔

"بیٹا اروند — !" جنک بولا۔

"یس انکل — !"

"دیکھو اروند اچھے بیٹے ممی کو پریشان نہیں کرتے ۔" جنک نے کہا۔

"لیکن انکل میں نے کوئی بُری بات نہیں کہی —"

" اچھا تم میرے ساتھ چلو ۔"

" کہاں ۔۔ ؟"

" چاکلیٹ خریدنے ۔"

" چلو ۔" کہہ کر اروند ماں کی گود سے نیچے اُتر گیا۔ اور جنک کے پاس چلا گیا۔

" بھابھی میں اسے بازار لے جا رہا ہوں۔" جنک نے مسز سوڈھی سے انگریزی زبان میں کہا ۔۔ " میرا کوئی کام تو نہیں ہے ؟"

" کیا ان کیلئے کوئی کام ہے ۔۔ ؟" مسز سوڈھی وکیل سے مخاطب ہوئی۔

" نہیں ۔" وکیل نے کہا۔

" تم اسے بازار گھما لاؤ ۔۔" مسز سوڈھی نے کہا۔ پھر اروند سے مخاطب ہوئی ۔۔ " جاؤ بیٹا اروند۔ انکل کے ساتھ چلے جاؤ۔"

" اچھا ممی !"

" بھابھی ! میں بازار سے اڈے پر پہونچ جاؤں گا ۔" جنک نے پھر انگریزی زبان میں کہا ۔۔ " سامان پہنچ گیا ہے میں اروند کو لے کر اڈے پر ہی پہونچ جاؤں گا ۔"

مسز سوڈھی نے سر کی جنبش سے اجازت دی ۔

" آؤ اروند ۔۔ !" جنک نے کھڑے ہو کر کہا۔

" چلو انکل ۔۔"

اور وہ دونوں چلے گئے ۔

ملک دستاویز کا معائنہ کر رہا تھا۔ کمرے میں اُن کے علاوہ دلال، وکیل سب رجسٹرار اور کلرک بیٹھے تھے۔

ملک نے کاغذات کا معائنہ کر کے اپنے وکیل سے کہا۔ "وکیل صاحب میرا خیال ہے یہاں بھی دستخط ضروری ہیں۔"

وکیل نے ایک نگاہ ڈالی اور کہا۔ "خاص فرق تو نہیں پڑتا۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو کرا لیجئے۔"

"اگر کہیں دستخط کرنا رہ گیا ہے تو میں کئے دیتی ہوں۔" مسز سوڈھی ملک سے پہلے ہی بول پڑی۔

"نہیں نہیں مسز سوڈھی! میں نے یوں ہی پوچھا تھا۔ ملک نے حلیمی سے کہا۔ "کوئی ضروری نہیں۔"

"ضروری نہ بھی ہوں میں کئے دیتی ہوں۔ آپ بتایئے کہاں کرنا ہیں؟" مسز سوڈھی نے اپنا پین سنبھالا۔

"نہیں نہیں وکیل صاحب کہتے ہیں کہ ضروری نہیں۔" ملک نے تکلف سے کام لینا چاہا۔

"لایئے میں کئے دیتی ہوں۔"

ملک چاہتا تھا کہ دستخط ہو جائیں، اُس نے کاغذات آگے کر دئے۔

"بس یہاں۔" اُس نے انگلی رکھ کر کہا۔

"ابھی لیجئے" کہہ کر مسز سوڈھی نے اُس جگہ پر دستخط کر دئے۔

"اور کہیں ہے؟"

"جی نہیں شکریہ — ! یہ بھی آپ نے خواہ مخواہ تکلیف کی۔ ورنہ ضرورت تو نہ تھی —" ملک نے کاروباری لہجہ میں کہا۔

مسز سوڈھی نے جواب نہ دیا۔

"مسز سوڈھی — !" ملک نے مصنوعی مسکراہٹ پیدا کر کے کہا — "آپ کا اصل نام شیلا ہے نا؟"

"جی — !"

"لیکن انگریزی زبان میں آپ "شیلی" لکھتی ہیں۔"

"جی —" شیلا نے آہستہ سے کہا۔ "میں برسوں سے اپنا نام اسی طرح ہجے کرتی آئی ہوں — کیا آپ کو اعتراض ہے؟"

"جی نہیں — ! بالکل نہیں — ! میں نے یوں ہی کہہ دیا تھا — ورنہ قانون کی رو سے ایسی کوئی کمی نہیں —" ملک نے خفیف ہو کر کہا۔

مسز شیلی سوڈھی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"میرا خیال ہے کاغذات مکمل ہو گئے ہیں —" رجسٹرار نے تحکمانہ لہجہ میں کہا۔

"جی ہاں —" ملک نے جواب دیا۔

"لائیے میں کارروائی پوری کر دوں —" رجسٹرار نے کہا۔

"لیجیے —" ملک نے کاغذات بڑھا دیے۔

"آپ رقم ادا کیجیے —" رجسٹرار نے حکم دیا۔

"یہ رہا میں ہر بار کا و ... جیسا آپ نے کہا تھا اور یہ رہا ڈھائی ہزار

نقد ۔۔۔" کہہ کر ملک نے ڈرافٹ آگے بڑھایا اور سو سو کے نوٹ گننے لگا۔

"مسز سوڈھی گن لیجئے ۔۔۔" رجسٹرار نے کہا۔

"جی کہہ کر شیلی نے ڈرافٹ چیک کیا۔" ڈرافٹ صحیح ہے۔"

"نوٹ بھی گن لیجئے۔"

"جی ۔۔۔" کہہ کر شیلی نوٹ گننے لگی۔

رجسٹرار یہ کارروائی رجسٹر پر درج کرتا رہا۔ جب ختم کر چکا تو اپنے کلرک سے مخاطب ہوا کہ اسے سنبھال کر رکھ لے۔

دس منٹ میں یہ کام ختم ہو گیا۔

"اچھا مجھے اجازت دیجئے ۔۔۔" کہہ کر رجسٹرار کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس کا عملہ بھی چلا گیا۔ وکیل اپنی فیس لے کر چلا گیا۔ اور کمرے میں شیلی کے علاوہ دلال اور ملک رہ گئے۔

"مسز سوڈھی! آپ کا جملہ اسباب چلا گیا ہے ۔۔۔؟" ملک نے جانتے ہوئے بھی سوال کر ڈالا۔

"جی ۔۔۔ شیلی نے نیچی نگاہوں سے کہا۔ پھر وہ کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

دوسرا کمرہ سونے کا کمرہ تھا۔ ایک طرف دو پلنگ پڑے تھے ۔۔۔ وہ انہیں دیر تک دیکھتی رہی اور سوچتی رہی۔ سوچتے سوچتے اس کا ذہن نہ معلوم کہاں سے کہاں پہونچ گیا۔ حتیٰ کہ اس خیال سے کہ ان دو میں سے

ایک پلنگ پر اُس کی سہاگ رات گذری تھی، اُس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

"مسز سوڈھی ۔۔۔!" عقب سے ملک کی آواز آئی۔

شیلی نے ساڑھی کے پلو میں آنسو جذب کئے۔

"میں جانتا ہوں ۔۔۔" ملک نے اُسے آنسو چھپاتے دیکھ کر کہا ۔۔۔ "آپ کے دل پر کیا گذر رہی ہے ۔۔۔ لیکن یہ کوٹھی آپ کی ہے ۔۔۔ گرمی کے موسم میں آپ جب چاہے آ سکتی ہیں اور چند روز قیام کر سکتی ہیں۔ میں آپ کیلئے ایک کمرہ خالی کرا دیا کروں گا ۔۔۔" بوڑھے ملک نے کہا۔

"شکریہ ۔۔۔" شیلی نے مغموم لہجہ میں کہا۔ "لیکن اب میں کبھی نہ آ سکوں گی یہاں ۔۔۔ اب ....." وہ کہتے کہتے رُک گئی۔

"وہ الگ بات ہے ۔۔۔ لیکن آپ مجھے غیر نہ سمجھیں۔ اگرچہ یہ کوٹھی اور کاروبار میں نے خرید لیا ہے۔ لیکن آپ جب چاہیں گھر کے ممبر کی طرح یہاں آ کر رہ سکتی ہیں۔"

شیلی اس جگہ مزید نہ رُک سکی۔ وہ سر جھکا کر کمرے سے باہر نکل گئی وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ دور ۔۔۔ کہیں بہت دور ۔۔۔ یہ ماحول اُس کی روح کو کھا رہا تھا۔

لیکن کوٹھی سے باہر ہیرا کھڑا تھا۔

"بی بی جی ۔۔۔!" ہیرا ہاتھ جوڑ کر بولا ۔۔۔ "اب آپ کب آئیں گی یہاں ۔۔۔" کہتے کہتے ہیرا کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

"اب میں کیا کروں گی یہاں آ کر" شیلی نے گلو گیر آواز میں کہا۔
"میں جانتا ہوں۔ پھر مجھے بھی اپنے ساتھ لے جائیے" بیرا ساتھ
چلتے ہوئے بولا۔ "دس برس خدمت کی ہے میں نے"۔
شیلی نے جواب نہ دیا۔ وہ خاموش چلتی رہی۔ سڑک جہاں موڑ کھاتی
تھی۔ وہاں چار دوکانیں تھیں۔ چاروں دکاندار اُسے حسرت بھری اور
ہمدردانہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ شیلی اس بات سے باخبر تھی۔ گو وہ
نگاہیں سڑک پر رکھے چل رہی تھی۔ بیرا اُس کے ساتھ چل رہا تھا۔
جب وہ ان دوکانوں کے سامنے سے گزری تو چاروں دوکانداروں
نے ہاتھ جوڑ کر باری باری اُسے نمستے کہی۔ جواب میں شیلی ہاتھ جوڑتی ہوئی
آگے بڑھ گئی۔ گو دوکاندار آخری بات کرنا چاہتے تھے۔
اُترائی شروع ہو گئی تھی۔ شیلی کے قدم تیز تیز قدم پڑتے لگے۔ بیرا
اس کے عقب میں چلنے لگا۔
پوسٹ آفس کے سامنے سے گزرتے ہوئے شیلی کے قدم لڑکھڑانے
لگے۔ پوسٹ ماسٹر اور کلرک اپنا کام چھوڑ کر اُسے دیکھ رہے تھے۔
برآمدے میں ڈاکخانہ کے سٹاف کے علاوہ گاہک بھی تھے۔ جب شیلی
گذر گئی تو باتیں شروع ہو گئیں۔

"یہ۔۔ یہ وہ ہے۔۔" ایک بولا۔
"وہ۔۔!" دوسرا بولا۔
"ارے ہاں اپنے سوڈھی صاحب کی بیوی ہے نا۔۔!"

"ہاں ہاں کیا میں نہیں جانتا ہوں —"

شیلی مغموم، اُداس اور تھکی ہوئی سی آگے بڑھتی رہی۔ آخری موڑ آ گیا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ آخری بار بازار اور اپنی کوٹھی کو دیکھ لے۔ لیکن اُسے اپنی خواہش دبانی پڑی۔

بس سٹینڈ آ گیا تھا۔

ٹیکسی میں اسباب رکھا جا چکا تھا۔ جنک اور اروند اُس کے منتظر تھے۔ یہاں بھی ہر شخص شیلی کو ہمدردی بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"بیٹھو بھابھی —!" جنک نے دروازہ کھول کر کہا۔

"ممی! میں آگے بیٹھوں گا —" اروند بولا۔

"اچھا —!" شیلی نے گہرا سانس لے کر کہا۔

ڈرائیور نے اگلا دروازہ کھولا اور اندر چلا گیا — "آؤ انکل۔"

"اچھا بیرا —! اب تم آرام کرو —" شیلی نے پرس کھولتے ہوئے کہا۔

"آرام —!" بیرا باقی بات نہ کہہ سکا اُس کی رقت آمیز آواز اُسکے حلق میں پھنس گئی۔

"یہ لو —" شیلی نے دس دس کے دو نوٹ بڑھائے۔

"نہیں بی بی جی —! نہیں رہنے دیجئے —"

"رکھ لو بیرا —! نشانی سمجھ کر رکھ لو —" شیلی نے اُداس لہجہ میں کہا۔

بیرا نے نوٹ پکڑ لیے اور ہاتھ جوڑ کر بولا — "بی بی جی! آپ

مجھے ساتھ کیوں نہیں لے چلتیں ــــ ؟"

"ابھی نہیں ، جب حالات ٹھیک ہو جائیں گے ، پھر بلا لوں گی"۔ شیلی نے کہا اور دروازہ کھول کر ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر جا بیٹھی ــ

"اچھا بی بی جی ــــ لیکن بلائیے ضرور ــــ" ہیرا نے کھڑکی کے پاس آکر کہا۔

جنک اور ڈرائیور اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ چکے تھے۔

"چلیں بھابھی ــــ !" جنک نے مڑ کر پوچھا۔

"چلو ــــ !" شیلی نے گہرا سانس لیا۔

ٹیکسی سٹارٹ ہوئی۔ اور بھاگنے لگی ــ ہیرا چند قدم ٹیکسی کے ساتھ بھاگا ــــ "بی بی جی بلائیے ضرور ــــ"

جواب میں شیلی نے سر کو جنبش دی۔

ٹیکسی اُترائی اُترنے لگی ــــ اور پہاڑ کے موڑ کاٹنے لگی ــ جو قدم قدم پر ہوتے ہیں۔

"بھابھی ڈرافٹ سنبھال لیا ہے نا ــــ ؟" جنک نے پوچھا۔

"ہاں ــــ"

"آپ نے اچھا کیا جو جسبیر کو گھر پر ہی بلا لیا"۔

شیلی نے کوئی جواب نہ دیا۔

پھر اروند اور جنک باتیں کرنے لگے ۔ شیلی پچھلی سیٹ میں دب گئی اور ماضی میں کھو گئی۔

تین گھنٹے بعد وہ ریلوے سٹیشن پر پہونچ گئے۔ شیلی نیچے اُتر کر ایک طرف کھڑی ہوگئی۔ جنک کام کر رہا تھا۔ اُس نے قلیوں کی مدد سے اسباب اُتروایا۔ اور ٹکٹ خریدے۔ گاڑی پلیٹ فارم کھڑی تھی۔ وہ تینوں اس میں سوار ہو گئے۔

"ابھی اوپر کی برتھ خالی ہے — آپ اوپر سو جائیے — اروند بھی آپ کے پاس سو سکتا ہے —" جنک نے کہا۔

"تم اور اروند سو جاؤ —" شیلی نے جواب دیا۔ "میں نیچے کی برتھ پر ہی ٹھیک ہوں۔ یوں بھی مجھے ریل گاڑی میں نیند نہیں آتی —"

کھانا کھانے کے بعد اروند اوپر چلا گیا۔ گیارہ بجے جنک بھی اوپر چلا گیا۔

کمپارٹمنٹ کے دوسرے مسافر اونگھ رہے تھے۔ یا سونے کی تیاری کر رہے تھے۔ شیلی کھڑکی کے پاس بیٹھی باہر پھیلی تاریکی کو دیکھ رہی تھی۔ جہاں ماضی کی تصویریں اُبھر اور ڈوب رہی تھیں۔

ریل گاڑی دوڑ رہی تھی — شیلی کا ذہن بھی دوڑنے لگا۔

انجن کی تیز چیخ نے رات کی تاریکی اور ویرانی کو جھنجوڑ ڈالا — اور شیلی کے ذہن میں تورس پہلے کی چیخ گونج اُٹھی۔

نو برس پیشتر ——

لاہور جل رہا تھا۔

انسان وحشی اور درندے بن چکا تھا۔ اپنے، اپنے نہ رہے تھے۔ غیر یوں کیا اپنے ہو سکتے تھے۔ قتل و غارت کا بازار گرم تھا۔ آگ کے شعلے آسمان کو چھونے کیلئے کوشاں تھے۔ شعلوں کی زبان نے شہر کے ایک بڑے حصے کو چاٹ لیا تھا۔ موت ارزاں تھی —— اور عورت کی عصمت تار تار ہو چکی تھی۔

ایک چھوٹے سے مکان کی زندگی جو برسوں سے پُرسکون تھی درہم برہم ہو گئی۔

کمرے میں ماں، اُس کی بیٹی اور بیٹا بیٹھے تھے۔

"اب کیا ہو گا ماں —— ؟"

"میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔ حالات روز بروز خراب ہوتے جا رہے ہیں۔ آج تو ہمارے کرائے دار بھی سامان باندھ کر چلے گئے۔ تقریباً آدھا محلہ خالی ہو گیا ہے۔"

"ماں گھبرانے کی بات نہیں۔ چند روز میں حالات پھر درست ہو جائینگے" بیٹا بولا۔

"تم ایسی ہی باتیں کرتے رہا کرو۔" بہن بھائی سے مخاطب ہوئی "لیکن دیکھتے نہیں کہ حالات خراب ہوتے جا رہے ہیں۔"

"میں تمہاری طرح بزدل نہیں ہوں۔" بیس برس کے کشور نے چمک کر کہا۔

"رہنے دو۔ رہنے دو۔!! ایک کلہاڑی کیا خرید لائے ہو ہر وقت اچھلتے رہتے ہو۔ کیا جانتے نہیں ہو کہ شہر میں بندوقیں، پستولیں اور بم استعمال ہو رہے ہیں۔ تم اس کلہاڑی سے کیا کر لو گے۔"

"میں پچاس آدمیوں سے لڑ سکتا ہوں۔" کشور نے سینہ پھلا کر کہا۔

"ارے واہ! میں جانتی ہوں تمہاری بہادری۔ اس روز کالج کے لڑکوں نے تمہیں پیٹ ڈالا۔" بہن نے اس کی بہادری پر طنز کیا۔

"دیکھو ماں شیلا پھر وہی بات کر رہی ہے۔ میں کتنی بار کہہ چکا ہوں کہ میں اس روز تیار نہ تھا۔ اور وہ دو نہ تھے۔ پورے آٹھ تھے ورنہ۔۔۔"

"چلو آٹھ ہی سہی۔" شیلا نے اسے مزید چڑایا۔ "تم تو پچاس سے لڑنے کیلئے کہہ رہے تھے۔؟"

"ہاں لڑ سکتا ہوں ۔۔۔" کشور نے ڈینگ ماری۔ "اس روز میں تھتا تھا۔ ان کے پاس ہاکیاں تھیں۔ میں نے انہیں کہا تھا کہ ایک ایک کر کے آؤ۔ اور ایک ہاکی مجھے بھی دیدو ۔۔۔"

"میں سب جانتی ہوں ۔۔۔" شیلا نے زبان نکال کر چڑایا۔ "تم بہت بہادر ہو ۔۔۔"

"ہوں کیوں نہیں ۔۔۔؟"

"اچھا اچھا۔ کاغذی پہلوان ۔۔۔!"

"دیکھو ماں پھر وہی بات ۔۔۔" کشور چلا کر ماں سے مخاطب ہوا۔ "اسے روک لو۔ ورنہ اس کی چٹیا اکھیڑ دوں گا ۔۔۔"

"کیوں نہیں ۔۔۔ کیوں نہیں ۔۔۔!! لڑکیوں سے لڑ سکتے ہو ۔۔۔" شیلا نے مزید چڑایا۔

"ماں! اسے روک دو۔ بلی بلی کرے۔" کشور نے جھنجلا کر کہا۔ "ورنہ تم پچھتاؤ گی ۔۔۔"

"ارے جا ۔۔۔ ناک ۔۔۔ توڑ دوں گی تیری ۔۔۔" بہن نے کہا۔

"تباؤں پھر ۔۔۔" کہہ کر کشور نے جست لگائی اور اس کی چوٹی پکڑ لی۔

"ماں ۔۔۔!!" شیلا نے دہائی دی۔

"کشور ۔۔۔!! پاگل ہوا ہے۔" ماں چلائی۔

"پہلے کیوں نہ روکا اپنی اس لاڈلی کو ۔۔۔"

"میں کہتی ہوں میری چوٹیاں چھوڑ دے۔ ورنہ کاٹ کھاؤں گی ۔۔۔"

"پہلے توبہ کر ــــ"

"تو نہیں چھوڑتا ــــ"

"نہیں چھوڑتا ــــ!"

"تو یہ لے ــــ" کہہ کر شیلا نے بھائی کے بازو پر دانتوں سے کاٹ کھایا۔

"او شیلی بلی ــــ! تیرا ستیاناس ہو ــــ!" کشور اپنا بازو سہلاتا ہوا اپنی جگہ کی طرف بڑھا ــــ" ماں دیکھو اس نے کس بُری طرح کاٹ کھایا ہے ــــ!"

"اب میں تم بھائی بہن کے معاملہ میں کیا بولوں ــــ" ماں نے سنجیدہ لہجہ میں کہا ــــ "ایک کمزور ہو تو بات دب سکتی ہے۔ تم دونوں ہر وقت مرنے مارنے پہ تُلے رہتے ہو ــــ!"

کشور اپنی جگہ پر چُپ چاپ بیٹھ گیا اور اپنا بازو سہلانے لگا۔ شیلا اسے کنکھیوں سے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ کشور نے اسے مسکراتے دیکھا تو زبان نکال کر چڑایا ــــ شیلا کہاں دبنے والی تھی۔ جواب میں اُس نے بھی زبان نکال کر دکھا دی ــــ اور اپنے بازو کو اس جگہ پر سہلانے لگی۔ کشور کے بازو کے جس حصہ پر اُس نے کاٹ کھایا تھا۔ کشور اُس کی اس حرکت پہ چراغ پا ہو گیا۔ لیکن بولا نہیں۔

"پھر ماں! کیا سوچا ہے ــــ؟" شیلا نے توجہ بدلنا چاہی۔

"کس بات کے متعلق ــــ؟" ماں نے پوچھا۔

"اب یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں۔"
"لیکن ہم کہاں جا سکتے ہیں ۔۔۔؟"
"جہاں اتنی دُنیا جا رہی ہے ۔۔۔" شیلا نے جواب دیا۔
"لیکن بیٹی اُن کا کوئی نہ کوئی رشتہ دار ہوگا ۔۔۔ جس کے پاس جا رہے ہوں گے ۔ ہم کس کے پاس جا سکتے ہیں ۔۔۔" ماں نے کہا۔
کیا ان سب جانے والوں کے رشتہ دار ہیں ؟" شیلا نے پوچھا۔
" یہ میں نہیں جانتی ! لیکن تم خود ہی سوچو کہ ہم کہاں جائیں ؟ اور کس کے پاس جائیں ۔۔۔؟"
" ماں اتنے شہر ہیں ۔۔۔ دہلی ۔ کلکتہ ۔۔۔ بمبئی ۔۔۔" شیلا بولی ۔۔۔
" آگرہ کیوں نہیں ۔۔۔؟" کشور بولا۔
" کیوں وہاں کیا ہے ؟" ماں نے پوچھا۔
" وہاں ۔۔۔ " کشور نے شیلا کی طرف دیکھا ۔۔۔ " وہاں پاگل خانہ ہے ۔ ماں اور شیلا آرام سے ....."
" ماں ! یہ اپنے لئے کہہ رہا ہے ۔۔۔" شیلا نے جواب دیا۔
" ہٹاؤ ان باتوں کو ۔۔۔" ماں نے سنجیدہ لہجہ میں کہا ۔۔۔ " میں تمہارے لئے پریشان ہوں ۔۔۔"
" میرے لئے ۔۔۔؟" شیلا نے استعجاب سے پوچھا۔
" ہاں میری بیٹی ۔۔۔! اگر ہم یہاں سے چلے گئے تو ہمارا یہ سہارا بھی ختم ہو جائے گا ۔ تمہارے پتا کے مرنے کے بعد مجھ پر کیا گزری تھی ۔۔۔

وہ تم دونوں جانتے ہو ۔۔۔ گو اُن دنوں بچے تھے لیکن اب تو سمجھ دار ہو۔ اُس گھر میں میرا جینا دوبھر کر دیا گیا تھا۔ میرا دیور ہماری جائیداد ہڑپ کرنا چاہتا تھا۔ کوئی صلاح کار نہ تھا۔ کوئی ہمدرد نہ تھا ۔۔۔ ہر کوئی ہماری دولت کے پیچھے پڑا تھا ۔۔۔ میرا دیور تم دونوں کو مروانا چاہتا تھا تاکہ جائیداد کا مالک بن سکے۔ میں نقدی اور زیور کے علاوہ گھر کی جس شے پر ہاتھ ڈال سکی لے کر اس شہر میں آ گئی۔ میرے میکے سے تو کوئی تھا ہی نہیں جس پر بھروسہ کرتی ۔۔۔ یوں بھی ہماری ننھیال بہت غریب تھی ۔ وہ لوگ ہماری مدد نہ کر سکتے تھے ۔۔۔ اس شہر میں جب میں تمہیں لے کر آئی تھی تم تین برس کی تھیں اور کشور پانچ برس کا ۔۔۔ یہاں آ کر میں نے یہ مکان خرید لیا۔ جان توڑ کر کے زندگی کے دن کاٹے۔ تم خود ہی اندازہ لگاؤ کہ میں نے کس مصیبت سے دن کاٹے ہوں گے۔ تم دونوں کو پالا پوسا۔ پڑھایا لکھایا ۔۔۔ اور آج تم دونوں کو دیکھ کر زندہ ہوں ۔۔۔ یہ مکان وہ سہارا ہے جس کی بنا پر تمہارے ہاتھ پیلے ہوں گے ۔۔۔ کشور کی کوئی بات نہیں۔ یہ لڑکا ہے ۔۔۔"

"لیکن ماں! تم کیوں کر کہتی ہو کہ ننھیال میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچا ۔۔۔"

شیلا نے کہا۔

"جس علاقہ میں وہ رہتے تھے وہاں مارچ میں خوں ریزی ہوئی۔ کیا تم نے ریڈیو پر نہیں سنا' وہ دیہات بالکل تباہ و برباد ہو گئے تھے۔ جہاں وہ رہتے تھے۔ تم میرے ساتھ گئے ہو اور ریلوے سٹیشن پر جا کر لگاتار بیٹھی دیکھی ہیں اگر وہ زندہ ہوتے تو ان پانچ مہینوں میں آ نہ جاتے ۔۔۔" [illegible]

جواز پیش کیا ۔

"ہاں! کہو تو میں جا کر سپٹ کر آ ؤں ۔؟" کشور بولا۔

"پاگل ہوا ہے ۔ لوگ ان اضلاع سے بھاگ رہے ہیں ۔ لاہور خالی ہو رہا ہے ۔ اور تم وہاں جانا چاہتے ہو جہاں سے لوٹ آنا آسان نہیں ۔" ماں نے ڈانٹا۔

"ماں یہ ڈینگ مارنے سے باز نہیں رہ سکتا ۔" شیلا بولی۔

"پھر بولی تو ۔ تیری چوٹی ۔۔۔۔" کشور نے دھمکی دینی چاہی۔

"کیا بازو کی درد ٹھیک ہو گئی ہے ۔؟" شیلا نے جوابی دھمکی دی۔

"ارے بند کرو یہ چخ چخ ۔" ماں نے دونوں کو ڈانٹا ۔ "تم دونوں بہن بھائی مل کر نہیں رہ سکتے ۔ کل اس کی شادی ہو جائے گی تو کس کے ساتھ لڑا کرے گا ۔"

"اتنی شادی ہی نہیں ہو گی ۔" کشور بولا۔

"چپ رہ کالی زبان والے ۔! کوئی اپنی بہن کو ایسی بات کہتا ہے ذرا سوچ کر بولا کر ۔" ماں نے ڈانٹا۔

کچھ دیر کیلئے خاموشی چھا گئی ۔ پھر ماں نے توڑا۔

"میں کہہ رہی تھی کہ تمہارے ننھیال یا ددھیال میں کوئی ایسا نہیں جو ایسے وقت میں ہمارے کام آ سکے ۔ مجھے کشور کی فکر نہیں چھ ماہ بعد یہ بی اے کر لیگا اسے کہیں نوکری مل جائے گی تو میری فکر دور ہو جائے گی ۔ مجھے سکھ کا سانس مل جائے گا ۔ اب تک دو سہارے تھے ۔ ایک تمہارے پتا کی پنشن اور

دوسرا یہ مکان ــــ یہ مکان اگر چھوڑ دیں اور چند روز کیلئے کہیں چلے بھی جائیں لیکن میں سوچتی ہوں کیا لوٹ آنا بھی ہوگا ــــ اس مکان کی آڑ میں شیلا کے ہاتھ پیلے ہو سکتے ہیں۔ میں نے اُس روز بھی سوچا تھا جب تم نے میٹرک پاس کیا تھا۔ میں تمہاری شادی کر دینا چاہتی تھی لیکن تم نے ضد کی کہ بی اے پاس کرنا ہے۔ اب ایف اے کر لو گی پھر کیا فرق پڑ جائیگا۔ اب نئی جگہ چلے گئے تو تمہاری شادی ایک مسئلہ بن جائے گی۔ تھوڑی سے ہیں چار کپڑے اور چار برتن اور تھوڑا سا زیور ــــ لیکن اس سے تمہاری شادی نہ ہو سکے گی ــــ تین کپڑوں میں تو کوئی بیاہ جتنے سے رہا۔" پھر اس مکان کو کیوں کر چھوڑ دیں ــــ"

"اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ کہیں جانے کی ضرورت نہیں ــــ" کشور بولا۔

"ماں یہ تو پاگل ہے ــــ کل سرلا کی ماں کہہ رہی تھی، شہر کے ایک گنجان آباد علاقہ سے جوان لڑکیاں اُٹھا لی گئی ہیں ــــ" شیلا بولی۔

"یہی بات تو مجھے پریشان کر رہی ہے ــــ" ماں کے لہجہ میں ضروری تشویش تھی۔

"ہاں! میری مانو۔ لوگ پہاڑ پر سیر کیلئے جاتے ہیں۔ تیرتھ یاترا کے لئے بھی جاتے تھے۔ ہم کیوں نہ ہردوار چلے جائیں۔ وہاں کسی دھرمشالہ میں رہ لیں جب حالات ٹھیک ہو جائیں گے لوٹ آئیں گے۔ اب یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں ــــ"

"لیکن شیلا بیٹی ......!"

"ماں تمہیں اس مکان کی فکر کھا رہی ہے۔ جان ہے تو جہان ہے۔ بڑی بات یہ ہوگی کہ کشور کو تعلیم بند کر کے نوکری کرنی پڑے گی۔ میں بھی کسی لڑکیوں کے سکول میں نوکری کر سکتی ہوں ——— اگر یہ سب کچھ چلا بھی گیا تب بھی ہم بنا لیں گے ——" شیلا کشور سے مخاطب ہوئی ——"کیوں کشور! تو نوکری نہیں کر سکتا ——"

"کیوں نہیں ——" کشور نے فخر سے کہا۔

"بس ماں اب میری مان لو ——— زندہ رہے تو سر چھپانے کو مکان بھی مل ہی جائے گا ——— اس مکان کے سہارے تم نے ہمیں پال پوس کر آج اتنا بڑا کر دیا ہے —— اس مکان نے اپنا فرض نبھا دیا ہے۔ پھر لوگ بڑی بڑی کوٹھیاں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ جو اُن کے ساتھ گزرے گی وہ ہمارے ساتھ بیتے گی ——— میں کہتی ہوں ضروری سامان باندھو اور آج ہی چل دو ——" شیلا نے صاف الفاظ میں کہا۔

"چلنے کو کہہ رہی ہو —— یہ بھی جانتی ہو کہ ریلوے سٹیشن پر پہنچنا اور گاڑی میں زندہ سوار ہو جانا معجزہ سے کم نہیں ——" کشور بولا۔

"تو کل صبح جا کر بسوں کے اڈوں پر پتہ کرو ——" شیلا بولی۔

"آخر یہ طے پایا کہ گھر کے روز ہر دوار کے لیے روانہ ہو جانا چاہیئے ——"

اُسی دن شام کو محلہ پر حملہ ہو گیا۔۔۔ بلوائیوں کے نعرے دل ہلا رہے تھے۔ ہر طرف سے "مارو۔۔۔ مارو" کی آوازیں آ رہی تھیں۔

پھر محلہ کے کونے والے مکان سے شعلے اُٹھنے لگے۔

گلی میں چند لوگ کشور کو پکار رہے تھے۔

"نہیں نہیں۔۔۔" شیلا نے کشور کو بازو سے پکڑ لیا۔ "تم نہیں جاؤ گے"

"شیلا۔۔۔! پاگل نہ بنو۔ مجھے جانے دو۔۔۔" کشور نے بازو چھڑانا چاہا۔

"پاگل تم ہو۔۔۔ نہ معلوم بلوائیوں کی تعداد کیا ہے۔۔۔؟"

"لیکن محلے کے لڑکوں نے مقابلہ کی تیاری کر رکھی ہے۔ اور اب وہ مجھے بلانے آئے ہیں۔۔۔"

"تم خاموش بیٹھے رہو۔ میں کھڑکی میں جا کر کہہ دیتی ہوں کہ تم گھر پر

نہیں ہو۔" شیلا نے کہا۔

"بیٹا مت جاؤ۔" ماں نے بھی روکا۔

"ماں یہ شیلا تو بُزدل ہے۔ بھلا تم کیوں رو رہی ہو؟" کشور نے جوش میں کہا۔

"اچھا میں بُزدل ہی سہی۔ لیکن تم چند لڑکے سینکڑوں بلوائیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ نعروں کی آوازوں سے اندازہ لگا لو کہ وہ کتنے سو ہوں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔" کہہ کر کشور نے بازو چھڑایا اور نیچے بھاگ گیا۔ ماں اور بیٹی پکارتی ہی رہیں لیکن کشور جوانی کے جوش میں دیوانہ تھا۔

جو لوگ ابھی محلہ میں رہ رہے تھے وہ چھتوں پر چڑھ گئے۔ اور ایک دوسرے کو پکارنے لگے۔ اس پکارنے میں ایک قسم کا حوصلہ حاصل ہوتا تھا۔ محلہ کے دو آدمیوں کے پاس بندوقیں تھیں وہ استعمال ہونے لگیں۔

پندرہ بیس منٹ یہ طوفان اُمڈتا رہا۔ پھر بھاگو بھاگو" کی آوازیں آنے لگیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا ہو رہا تھا۔ اچانک چند بم پھٹنے کا دھماکہ ہوا۔ اور مکانوں کی دیواریں تک کانپ اُٹھیں۔ پھر سینکڑوں آوازیں "بچاؤ۔ بچاؤ!" کی آئیں۔

عجیب بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہ آرہا تھا۔

ماں اور بیٹی چھت پر کھڑی تھیں۔ دیکھتے دیکھتے گلی میں چالیس پچاس آدمی گھس آئے۔ اُنہوں نے کچھ آدمیوں کو کندھے پر اُٹھا رکھا تھا۔

"یہاں رکھ دو ـــ" ایک شخص اُٹھانے والوں سے مخاطب ہوا۔

"ماں ـــ! حملہ آور گلی میں گھس آئے ہیں ـــ" کہہ کر شیلا پتھروں کے ڈھیر کی طرف بڑھی ـــ جو چھت پر بنا رکھا تھا۔ اُس نے دو پتھر اُٹھا کر گلی میں پھینک دئے۔

نیچے سے ایک گرجدار آواز آئی ــ "یہ کون پاگل ہے، ہم حملہ آور نہیں ہیں کالج کے لڑکے ہیں اور تمہیں بچانے آئے ہیں اینٹیں نہ پھینکو ـــ"

شیلا رُک گئی ـــ اُس نے نیچے دیکھا۔

"نیچے آکر اپنے مردوں کو پہچان لو ـــ کچھ لوگ زخمی ہو گئے ہیں ـــ گھبرانے کی بات نہیں ـــ ہم مدد کرنے آئے ہیں ـــ"

"کشور ـــ!! ماں! آؤ چل کر دیکھیں کہیں کشور . . . " شیلا کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ لپک کر زینے کی طرف بڑھی۔ ماں بھی اُس کے عقب میں نیچے چل دی۔

گلی میں چار لاشیں پڑی تھیں۔ یہ زخمی نہ تھے بلکہ جاں بحق ہو گئے تھے۔

"بھیا ـــ!" شیلا نے دلدوز چیخ ماری اور بھائی کی لاش سے لپٹ گئی ـــ "بھیا کشور ـــ!" وہ چیخ چیخ کر رونے لگی۔

"حوصلہ رکھو بہن ـــ" ایک لڑکے نے اُسے تسلی دینی چاہی۔

"کشور ـــ" ماں نے گلی میں پہونچکر کہا ـــ "کیا ہو گیا ہے کشور کو؟"

"ماں ـــ! کشور ـــ" شیلا چلائی۔

"کیا ہو گیا ہے میرے بیٹے کو ـــ؟" ماں نے لاش کے قریب آکر

کہا ـــ اور چھاتی پیٹ کر رونے لگی ـ

باقی کے تین جوان لڑکوں کے والدین اور رشتہ دار آ گئے تھے ـ جیسے جیسے شناخت کرتے گئے دھاڑیں مار مار کر روتے گئے ـ

کالج کے لڑکے انہیں تسلی دے رہے تھے ـ کچھ لڑکے بحث کر رہے تھے ـ ایک بولا ـــ "مجھے شک تھا کہ آج اس محلہ پر حملہ ہوگا ـ میں نے موہن کی ڈیوٹی لگائی تھی کہ جا کر خبر لائے ـ"

"خیر کوئی بات نہیں ـــ !" دوسرا بولا ـــ "نقصان زیادہ نہیں ہوا ـ ہم صرف دس منٹ لیٹ پہونچے ـــ"

"اب ان باتوں کو ختم کرو ـــ" ایک لڑکا بولا ـــ "ان لوگوں سے کہو کہ اپنا اپنا قیمتی سامان نکال لو ـ آج شب دوبارہ حملہ ہو سکتا ہے ـ"

مرنے والے لڑکوں کے والدین کو بڑی مشکل سے مجبور کیا گیا کہ وہ اپنا قیمتی سا زو سامان لے کر کالج کے کیمپ میں چلیں ـ

ماں اور شیلا بضد تھیں کہ کشور کا آخری سنسکار کیا جائے ـــ لیکن لڑکوں نے سمجھایا کہ اتنا وقت نہیں ہے ـ یہ کام وہ خود کر لیں گے ـــ

بہر صورت موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ماں اور بیٹی نے دو ٹرنک تیار کئے ـ نقدی اور زیورات سنبھالے ـ سب سامان اٹھایا نہ جا سکتا تھا کیونکہ لے جانے کا کوئی انتظام نہ تھا ـ یہ سب سامان بھی کالج کے لڑکے اپنے

سروں پر اُٹھا کر لے جا رہے تھے۔

ایک گھنٹہ بعد روتا ہوا محلہ خالی ہو گیا۔

کیمپ میں رات بھر شیلا روتی رہی۔ اور پھر تھک کر سو گئی۔ لیکن ماں تمام شب نہ سو سکی۔ وہ اپنے جوان بیٹے کی موت پر آنسو بہاتی رہی۔ وہ آج دوبارہ بیوہ ہو گئی تھی۔

دن نکلنے پر اُنہوں نے کیمپ کا حلیہ دیکھا۔ ہر کوئی ہراساں و پریشان تھا۔ درجنوں لوگ رو رہے تھے ___ جن کا رشتہ دار یا عزیز موت کے منہ میں چلا گیا تھا۔ کالج کے لڑکے اُنہیں تسلیاں دے رہے تھے اور اُن کے لئے کھانے پینے کا انتظام کر رہے تھے۔

"ماں! اب کیا ہوگا ___؟" شیلا نے بھاری آواز میں پوچھا۔

"میں کیا بتا سکتی ہوں " ماں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا ___ اُس کی آنکھیں تمام شب جاگنے اور رونے سے سُرخ ہو گئی تھیں۔

"ماں ___! اب ہم کہاں جائیں گے۔ کشور کے بغیر کیسے زندہ رہیں گے؟ پہلے ہی ہمارا کوئی رشتہ دار نہ تھا جس کے آگے مدد کیلئے ہاتھ بڑھاتے اور اب کشور بھی چلا گیا ___" کہہ کر شیلا رونے لگی۔

"جو بھگوان کو منظور ہوگا ___" ماں نے دبے الفاظ میں کہا۔

ماں بیٹی رونے لگیں۔ اُن کے قریب ہی ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بیٹھا تھا۔

وہ بڑی دیر سے اُنہیں دیکھ رہا تھا۔ اُنہیں روتا پاکر وہ اُن کے پاس آگیا۔

"آپ ساری رات روتی رہی ہیں ۔" اُس مرد نے حلیمی اور خلوص بھرے لہجہ میں کہا۔ "کیا آپ کے ساتھ کوئی مرد نہیں ۔ ؟"

"جی نہیں ۔" شیلا بول پڑی

"کیا وہ کہیں رہ گئے ہیں ۔ ؟" مرد نے پوچھا۔

"جی نہیں، کوئی ہے ہی نہیں، جو تھا وہ کل مارا گیا ۔" شیلا نے رونا شروع کر دیا۔

"او میرے بھگوان! تمہارے پتا جی تھے ؟" مرد نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ وہ تو دھرم پور سورگباشی ہو گئے ہیں۔"

"پھر کون ۔ ؟"

"میرا بڑا بھائی ۔"

"کیا عمر تھی اُس کی ۔ ؟"

"بیس برس ۔"

مرد نے بھگوان کو یاد کیا۔ اور گہرا سانس لیا۔ "بڑا ظلم ہوا ۔"

"ہمارا اس دُنیا میں کوئی بھی نہیں رہا۔ اب ہم کہاں جائیں گے ۔ کہاں جائیں گے کیا کریں گے ۔ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا ۔" شیلا نے سسکتے ہوئے کہا۔

"گھبراؤ نہیں بیٹا! ہمت سے کام لو۔ تمہاری طرح ہر آدمی جو یہاں ہے اسی طوفان سے گزر کر آیا ہے ۔" مرد نے حوصلہ بڑھایا۔

"ہم نے آج چلے جانے کا پروگرام بھی بنا لیا تھا۔ صرف ایک رات کی

بات تھی۔ اگر ہمیں پتہ ہوتا کہ ہمارے ساتھ ایسا ہوگا تو ہم کل ہی نکل جاتے۔ میں
تو کئی دن سے کہہ رہی تھی لیکن وہ ہی ضد کئے تھا۔ وہ اب ......" کہہ کر
شیلا بے اختیار رونے لگی۔

"لیکن تمہارا کوئی چچا تو ہوگا ۔۔۔؟"

"جی نہیں ۔۔۔"

"ماموں ۔۔۔؟"

"ان کا بھی کچھ پتہ نہیں، ادھر کے فسادات کے بعد کوئی خبر نہیں ملی۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا اب کوئی بھی اس دنیا میں نہیں۔
تم لوگ گزر کیوں کر کرتے تھے ۔۔۔؟"

"اپنا مکان تھا۔ تھوڑا سا کرایہ آ جاتا تھا۔ باقی پتا جی کی پنشن ملتی تھی۔"
شیلا نے معصومیت سے بتایا۔

"تمہارا ذاتی مکان ہے؟"

"جی ہاں ۔۔۔"

"کیا اُسے آگ لگا دی گئی ہے؟"

"جی نہیں! رات حملے کے بعد ہم لوگ سٹیشن پر آ گئے تھے، وہاں سے زبردستی نکال
لائے گئے ہیں۔ ہم تو بھرا ہوا گھر چھوڑ آئے ہیں۔ بستر بھی مکمل نہ اٹھا سکے۔ ہمارے
پاس تو کھانا پکانے کیلئے برتن تک نہیں ہیں ۔۔۔" شیلا نے تھکی اور غمزدہ
انسان کی طرح دکھ بتانے اور غم سنانے میں تامل نہ کیا۔

"لیکن ان ٹرنکوں میں کیا ہے؟"

"پہننے کے کپڑے ہیں —!"

"بس —؟"

"تمہیں جہیز کا سامان بھی ہے تھوڑا سا۔"

"تمہارے جہیز کا —؟"

شیلا نے شرما کر سر جھکا لیا۔

"میں سمجھ گیا۔ پھر اب تمہارا کہاں جانے کا ارادہ ہے —؟"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ دُنیا میں ہے ہی نہیں کوئی ہمارا —" شیلا نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ہے بھگوان! یہ دن دیکھنا بھی لکھے تھے —" مرد نے گہرا سانس لے کر کہا — "یہ دیکھو میرے ساتھ بوڑھی ماں ہے۔ ساٹھ برس سے زیادہ عمر ہے۔ وہ میری بیوی ہے، دو بچے ہیں۔ میرا اپنا مکان ہے۔ آدھا کینال کا ہوگا — سہ منزلہ۔ بہترین فرنیچر اور بہترین آرائش کا سامان بھرا ہے وہاں۔ ہم بھی بہ مشکل تمام دو ٹرنک نکال کر لا سکے ہیں۔ اس مکان میں کم از کم دس ہزار کا سامان پڑا ہوگا — لیکن کیا کریں حالات سے کون لڑ سکتا ہے۔ صبر کا گھونٹ پی لیا ہے —" کہہ کر مرد نے گہرا سانس لیا۔

"لیکن ہمارے ساتھ کوئی مرد ہی نہیں۔ پھر آپ کا کوئی رشتہ دار ہوگا۔ واقف یا دوست ہوگا۔ جہاں آپ جا سکتے ہیں —؟"

"ہاں یہ بات درست ہے — میرا ایک بھائی لدھیانہ میں رہتا ہے پولیس میں سب انسپکٹر ہے۔ اب اُن کے ہاں ہی پناہ لیں گے لیکن بیٹا!

یہاں کاروبار تھا۔ وہ دکان لُٹ گئی ہے۔ اب وہاں جاکر معلوم کیسے دن دیکھنا پڑیں۔ روپیہ بینک میں ہے۔ اب وہ نکلوا نہیں سکتے۔" مرد نے اُداس لہجہ میں کہا۔

مرد کو اُس کی ماں نے پکارا تو وہ اُدھر متوجہ ہو گیا۔

سشیلا وہیں کھڑی کیمپ کا ماحول دیکھ رہی تھی۔ ایک جگہ کالج کے لڑکے کھانا تقسیم کر رہے تھے۔ لوگ ٹوٹ رہے تھے۔ جیسے وہ صدیوں سے بھوکے تھے۔ ضبط اور تنظیم کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ لڑکے اپنے جگہ پر پریشان ہو رہے تھے۔ چلا چلا کر اُن کے حلق سوکھ گئے تھے۔ لیکن یہ افراتفری اور بدنظمی ختم ہونے میں بھی نہ آتی تھی۔

"ماں میں جاکر کھانا لے آؤں۔" سشیلا نے ماں کے پاس جاکر اُس سے پوچھا۔ ماں ٹرنک پر سر رکھے نیم دراز تھی۔

"کھانا!" ماں نے تھکی آواز میں کہا۔ "حالت دیکھ رہی ہو۔ جوان لڑکی کا وہاں جانا ٹھیک نہیں ہے۔ اگر بچ گیا تو وہ لوگ خود ہی یہاں دے جائیں گے۔"

"ہوں۔" کہہ کر سشیلا ماں کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"کیا باتیں کر رہی تھی۔" ماں نے پوچھا۔

"وہ پوچھ رہے تھے۔ ہمارے ساتھ کوئی مرد ہے یا نہیں۔ شکل و صورت سے اور لباس سے تو بھلے آدمی دکھائی پڑتے ہیں۔ بچاروں کا آدھے کنال کا مکان تھا۔ بھرا ہوا چھوڑ آئے ہیں۔ دکان لُٹ گئی ہے۔

اب لدھیانہ جانے کی سوچ رہے ہیں۔ وہاں اُن کا بھائی پولیس میں تھانے دار ہے"
شیلا نے بتلایا۔

"ساتھ میں کون ہے؟"

"بوڑھی ماں، بیوی، اور دو بچے۔"

"ہوں۔" کہہ کر ماں خاموش ہو گئی۔

شیلا کھانا تقسیم ہوتا دیکھنے لگی۔ چھینا جھپٹی کا بازار گرم تھا۔ لوگ ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔

پون گھنٹہ گذر گیا۔ لیکن یوں دکھائی پڑتا تھا۔ جیسے لوگ جنم جنم کی بھوک مٹانے کے درپے تھے۔

"بیٹی۔!"

شیلا نے نگاہ [illegible] دیکھا وہی مرد کھڑا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں کھانا تھا۔

"تم کھانا لینے نہیں [illegible] گئیں۔ میں نے سوچا کہ تمہارے ساتھ کوئی مرد نہیں۔ اس لئے میں تمہارا اور اپنا کھانا لے آیا ہوں۔"

"جی بہت بہت شکریہ۔ آپ نے بہت تکلیف اُٹھائی۔" شیلا کھانا لینے کیلئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ "ماں! اُٹھو۔"

"تکلیف کی بات نہیں! یہ میرا اخلاقی فرض ہے۔ انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔ پھر اس طوفان میں......" مرد نے خلوص بھرے لہجہ میں کہا۔

ماں اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے سر کا کپڑا درست کیا

"یہ کھانا سنبھالو۔ میں جاکر پانی لادیتا ہوں ـــ" مرد نے کہا۔

"نہیں میں لے آتی ہوں ـــ" شیلا بولی۔

"نہیں بیٹی! جوان لڑکی کا جانا مناسب نہیں۔ دیکھو کیا بُری حالت ہو رہی ہے وہاں۔ ہم لوگوں میں یہی خامی ہے کہ مصیبت میں صبر اور ضبط سے کام نہیں لیتے ہیں ـــ" یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

"ماں! دیکھا کتنے شریف آدمی ہیں۔ ہم نے کہا نہیں اور جاکر ہمارے لئے کھانا لے آئے ـــ اب پانی لینے چلے گئے ہیں۔" شیلا بولی۔

"ہاں بیٹی! اگر دُنیا سے انسانیت ختم ہو جائے تو یہ دُنیا ختم ہو جائے ایسے ہی اچھے لوگوں سے دُنیا قائم ہے ـــ" ماں نے کہا۔

"لو ماں! کھانا کھاؤ ـــ"

"نہیں بیٹا تم کھالو۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"نہیں ماں! اگر تم نہیں کھاؤ گی تو میں بھی نہیں کھاؤں گی۔"

"تم کھالو شیلا ـــ" ماں نے آہستہ سے کہا۔

شیلا کے بے حد اصرار پر بھی ماں نے کھانا نہ کھایا۔

شام کو وہ مرد پھر ان کے لئے کھانا لے آیا۔ لیکن شیلا کے پیہم اصرار پر بھی ماں کھانے کیلئے تیار نہ ہوئی۔

"ماں کب تک بھوکی رہو گی ـــ؟"

"ماں کشور تمہارا بیٹا تھا۔ لیکن میرا بھائی بھی تھا۔۔۔ آخر تم کیوں اپنی جان دینے پر تُلی ہوئی ہو؟"

جواب میں ماں آنسو بہانے لگی۔

وہ مرد پھر اُن کے پاس آ گیا۔

"کیا بات ہے بیٹی۔۔۔!"

"دیکھئے میری ماں کھا ہی نہیں رہی ہے۔۔۔ صبح سے ایک لقمہ نہیں کھایا۔۔۔ آپ ہی سمجھائیے۔" شیلا نے اُس مرد سے کہا۔

"آپ اپنی بیٹی کی بات مان لیجئے۔۔۔ یہ غم اب عمر بھر کیلئے ہے۔۔۔ یہاں ہر شخص دکھی ہے۔ ہر کسی کا ایک آدھا عزیز مارا گیا ہے۔ آپ نے ہمت ہار دی تو اس بچی کا کیا بنے گا۔۔۔ اس بچی کا اب آپ کے سوا اس دنیا میں کون ہے۔۔۔ اس کا حوصلہ کون بڑھائے گا۔۔۔؟" مرد نے نہایت شیریں آواز میں کہا۔۔۔ اُس کے الفاظ سے سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔

"لو ماں! اب تو کھا لو۔۔۔ دیکھو یہ تمہیں سمجھا رہے ہیں۔" شیلا نے ماں کا ہاتھ پکڑ کر کھانے پر رکھ دیا۔

"ہاں ہاں کھائیے! اگر آپ روٹی نہ کھائیں گی۔ تو اتنا بڑا غم کیوں کر اُٹھا سکیں گی؟" مرد نے کہا۔

ماں نے ایک لقمہ توڑ کر مونہہ میں ڈال لیا۔

"میری اچھی ماں۔۔۔" شیلا نے ماں کے سر سے اپنا سر جوڑ دیا۔

"آپ لوگ بے فکری سے کھائیے۔۔۔ اگر کسی شے کی ضرورت ہو تو

مجھے بلا لینے لگا ۔۔۔ رات کو اپنے اسباب کا خیال رکھیئے۔ مجھے پتہ چلا ہے
کہ یہاں ہیرا پھیری ہو جاتی ہے ۔۔۔ لوگ ایک دوسرے کا مال اُڑا لے جاتے
ہیں ۔۔۔ میں دس قدم دور ہوں ۔۔۔ ویسے جاگتا رہتا ہوں۔ میری بوڑھی
ماں بھی بہت کم سوتی ہے ۔۔۔ پھر بھی آپ محتاط رہیں ۔۔۔" مرد نے کہا۔
اور چلا گیا ۔۔۔ لیکن دو قدم چل کر لوٹ آیا۔ "میرا نام کرم چند ہے۔
ضرورت پڑنے پر آواز دے کر پکار لیں ۔۔۔ بیٹی! تم مجھے چچا کہہ کر بلا سکتی ہو!"
"جی بہت بہت شکریہ ۔۔۔" شیلا نے لقمہ حلق سے نیچے اُتارتے ہوئے
کہا۔

"بیٹی ۔۔۔! تمہارا نام کیا ہے ۔۔۔؟"

"شیلا ۔۔۔"

"اچھا شیلا بیٹی ۔۔۔! اب میں جا کر اپنے بچوں کی خیر خبر لوں ۔۔۔" کہہ کر
کرم چند چلا گیا۔

ماں نے کھانا بند کر دیا۔

"ماں کھا کیوں نہیں رہی ہو ۔۔۔؟"

"بس بیٹی! میرا پیٹ بھر گیا ہے۔"

"دو لقموں سے!" شیلا نے گلہ آمیز لہجہ میں کہا ۔۔۔ "یہ دال اور آدھی
پکی روٹیاں جیسی بھی ہیں غنیمت ہے۔ سُنا ہے کالج کے لڑکے تیار کرتے
ہیں ۔۔۔ کیمپ میں اتنی عورتیں ہیں اُن سے کام کیوں نہیں لیتے ۔۔۔"

ماں نے کوئی جواب نہ دیا۔

"ماں ---!"

"ہاں ---!"

"ماں! میں سوچ رہی تھی کہ اِن کے ساتھ کیوں نہ چلیں --- کرم چند کتنا اچھا آدمی ہے۔ شکل وصورت، وضع قطع اور بول چال کے لحاظ سے خاندانی آدمی دکھائی پڑتا ہے۔ مجھے بیٹی کہتا ہے --- اپنے بچوں کی طرح سمجھتا ہے --- پھر اُن کے ساتھ اُن کی بڑھی ماں ہے --- بیوی ہے، بچے ہیں --- کوئی لنڈے و سے تو ہیں نہیں --- اُن کا بھائی تھانیدار ہے۔ اُن کی وساطت سے کہیں نہ کہیں رہنے کو جگہ مل جائے گی اور محافظ بھی ---"

"ہوں! ---" ماں نے صرف اتنا کہا۔

"کل دن میں اُن سے بات کروں ---؟"

"لیکن ہمارے جانے کا انتظام کب ہو رہا ہے ---؟"

"کل چاچا جی سے پوچھوں گی ---" شیلا نے کرم چند کو ابھی سے چاچا تسلیم کر لیا تھا۔

"ہوں ---" ماں نے نیم رضامندی ظاہر کی --- "میں سوچ رہی تھی محلے کے کسی شخص کے ساتھ چلے جاتے تو بہتر تھا۔ کچھ پڑوسیوں کو ہم برسوں سے جانتے ہیں۔ یہ قرب بھی رشتہ داری بن جاتا ہے ---"

"میں کل دن میں تلاش کروں گی ---" شیلا نے جواب دیا۔

اگلے روز کرم چند صبح آٹھ بجے اُن کے پاس آ گیا۔
"نمستے چاچا جی!" شیلا نے یوں کہا جیسے وہ حقیقی چچا تھا۔
"نمستے شیلا بیٹی ــــ اور رات اچھی طرح سوئیں ــــ؟"

"ہاں چاچا جی! ــــ"
"بیٹی! تم وہاں آ جاؤ، جہاں میرا سامان پڑا ہے۔ میرے دو بیٹے ہیں
ایک گیارہ برس کا ہے۔ دوسرا سات برس کا، اُن کے ساتھ کھیلو ــــ باتیں
کرو۔ تمہاری چچی ہے وہاں۔ تمہاری دادی ہے ....."
شیلا ایک چچا پا کر غم ہلکا کر بیٹھی تھی۔ اب اُسے چچا زاد بھائی چچی اور
دادی اور مل گئیں۔
"چاچا جی ہم سوچ رہے تھے کہ اب اس دنیا میں ہمارا تو کوئی ہے
ہی نہیں۔ اور جہاں لوگ جا رہے ہیں ہم ان شہروں سے کبھی واقف نہیں رہے نہ ہی
وہاں کسی کو جانتے ہیں، کیا آپ ہمیں ساتھ نہ لے چلیں گے؟"
"بیٹی شیلا ــــ!" کرم چند نے اُس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا۔
"یہ بات میں کہنے والا تھا تم نے میرے منہ کی بات چھین لی ہے ــــ"
"دیکھا ماں ــــ میں نہ کہتی تھی چاچا جی ہماری مدد کریں گے۔" شیلا نے کہا۔
ماں نے اظہار تشکر زبان سے ادا نہ کیا ــــ محض سر کا کپڑا درست کرتے
پر اکتفا کیا۔ ویسے دل ہی دل میں مطمئن سی ہو گئی تھی ــــ اُسے اب یہی فکر
تھی کہ اپنی جوان اور خوبصورت بیٹی کو دنیا کی حریص اور ہوس کی نگاہوں سے بچا کر

رکھ سکے گی۔ ان مشکل حالات میں کرم چند فرشتہ دکھائی دے رہا تھا۔

"بیٹا یہ میرا فرض ہے ___ گو میں اس قابل نہیں رہا ہوں کہ آپ لوگوں کی مالی مدد کر سکوں۔ کیونکہ میری دکان لٹ گئی ہے۔ لیکن جہاں تک بن سکا۔ میں آپ لوگوں کی پوری مدد کرنے کی کوشش کروں گا ___" کرم چند کے الفاظ بےحد موثر تھے ___

"چاچا جی! آپ کو خدا نے ہماری مدد کیلئے بھیجا ہے۔ ورنہ کشور کے مرنے کے بعد تو ہم یہی سوچ رہے تھے کہ اسی گھر میں رہ جائیں۔ اور کسی درندے کے تھپڑے کا شکار ہو جائیں۔"

"نہیں بیٹی ___! ایسا سوچنا بھی نہیں چاہیے۔ زندگی میں بڑے بڑے کٹھن مراحل آتے ہیں۔ اُن سے نظر چرایا جاتا نہیں ___ ہمت اور صبر کو کسی بھی حالت میں ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیے ___ بھابھی! آپ بھی دل چھوٹا نہ کیجیے" کرم چند شیلا کی ماں سے مخاطب ہوا۔

ماں کو یہ اندازِ مخاطب اور رشتہ عجیب سا محسوس ہوا لیکن اُس نے اعتراض نہ کیا۔

"اچھا، اب میں چلتا ہوں اور جا کر کھانے پینے کا انتظام کرتا ہوں" کہہ کر کرم چند چلا گیا۔

"ماں اب تو محلہ کے کسی آدمی کو تلاش کرنا ضروری نہیں؟ ___ کیا خیال ہے تمہارا ___؟" شیلا نے پوچھا۔

ماں نے جواب نہ دیا۔

"بولو تو سہی ماں! کہو تو جا کر تلاش کروں ۔۔۔؟"

"اگر تم مناسب نہیں سمجھتی ہو تو جانے دو ۔۔"

"اچھا! میں ذرا چچی اور دادی سے مِل آؤں ۔۔۔" کہہ کر سشیلا کرم چند کے کنبہ کی طرف بڑھ گئی۔

دس منٹ میں وہ اجنبی بوڑھی عورت کو دادی اور دوسری اجنبی عورت کو چاچی کہنے لگی۔ اور اُن سے گھُل مل گئی۔ جیسے اُنہیں برسوں سے جانتی تھی۔

دوپہر کو پتہ چلا کہ فوج کی نگرانی میں چند بسیں اور ٹرک سرحد پار کر رہے تھے۔ ہر کوئی پہلے جانا چاہتا تھا۔ وہ افراتفری پھیلی کہ خدا کی پناہ۔۔۔ لیکن یہ انتظام کالج کے لڑکوں کے ہاتھ میں نہ تھا ۔۔۔ بلکہ فوج کے نظم و نسق اور ضابطے کا مرہون تھا۔

کرم چند پڑھا لکھا آدمی تھا ۔۔۔ اُس کی شخصیت مرعوب کُن تھی ۔۔۔ وہ فوجی دستے کے افسر اعلیٰ سے مِلا اور اُسے اِس قافلے میں جانے کی اجازت مِل گئی۔

آدھ گھنٹے کے بعد کرم چند کا کنبہ اور سشیلا اپنی ماں کے ساتھ سفر کر رہے تھے ۔۔۔ اُنہوں نے کوشش کی کہ مزید اسباب اٹھا لائیں۔ لیکن وقت کی کمی کے باعث فوجی افسران نے اجازت نہ دی۔

قافلہ فیروز پور پہونچا تو فوجی دستے نے مسافروں کو اُتار دیا۔ اس شہر کے آگے جس کو جہاں کہیں جانا تھا اپنا انتظام خود کرے۔

فیروز پور سے لدھیانہ دور نہیں۔ لیکن رسل و رسائل کے ذرائع اُکھڑ چکے تھے۔ چوبیس گھنٹے ریلوے سٹیشن پر گذارے اُس کے بعد ایک گاڑی لدھیانہ روانہ ہو گئی۔

شیلا اور اُس کی ماں نے اب اپنی تمام پریشانیاں اور مستقبل کی فکر کرم چند کو سونپ دی تھی۔ کرم چند اُن کا سرپرست، نگراں یا محافظ تھا۔

ماں جوان بیٹے کے غم کو نہ بھول سکی — وہ برائے نام روٹی کھا لیتی۔ اور ضرورت سے زیادہ خاموش ہو گئی تھی۔

منزلِ مقصود آ گئی۔

کرم چند کے بھائی سیوک رام نے اُن کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا۔

کرم چند نے سرسری طور پر بھائی کو شیلا اور اُس کی ماں سے متعلق بتادیا۔
اُن دنوں ہر انسان میں ہمدردی کا جذبہ تھا۔ لوگ ایک دوسرے کی مدد کرتے
تھے۔ کوئی بھی شخص اجنبی نہ رہا تھا۔ ان حالات میں سیوک رام سے شیلا اور
اُس کی ماں کو بھی ایک کمرہ میں رہنے کی اجازت مل گئی۔
مکان چار پانچ کمروں پر مشتمل تھا۔ سیوک رام عمر میں کرم چند سے بڑا تھا۔
اُس کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے وہ لوگ اس مکان میں آسانی سے گذر کر سکتے تھے۔
اپنے بھتیجوں کو پاکر سیوک رام کی بیوی خوش ہو اُٹھی تھی۔ گھر میں رونق ہو گئی
تھی۔ ماں بیٹی کو ایک علیحدہ کمرہ دیدیا گیا تھا۔ تین روز سیوک رام کی بیوی
نے کھانا پکا کر انہیں کھلایا۔
لیکن شیلا کی ماں کی غیرت اس بات کو گوارہ نہ کر سکتی تھی۔ اُس نے اصرار
کیا کہ چند برتن اُسے دیئے جائیں تاکہ ماں بیٹی اپنا کھانا تیار کر سکیں۔
"آپ اس تکلیف کو جنم کیوں دینا چاہتی ہیں —؟" کرم چند نے کہا۔
"کچھ بھی ہو بھائی صاحب! آپ کا یہ احسان ہی کم نہیں کہ آپ نے ہمیں سر
چھپانے کی جگہ دی۔ ورنہ میں اس جوان لڑکی کو لے کر کہاں کہاں ماری ماری پھرتی۔
میں نہیں چاہتی کہ میں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی رہوں — دوسرے لوگ کام کریں۔
اس طرح کسی پر بوجھ بننا اچھا دکھائی نہیں دیتا۔" شیلا کی ماں نے جواب دیا۔
"آپ ماں بیٹی کا بوجھ ہی کیا ہے — دو روٹیاں تو ہیں — جہاں گھر کے
دیگر افراد کے لئے پکتی ہیں آپ کے لئے بھی پک جاتی ہیں —" کرم چند نے
پُرخلوص لہجہ میں کہا۔

"میں آپ کی فراخدلی اور خلوص کو جھٹلا نہیں رہی ہوں۔ — آپ اپنا فرض نبھا چکے ہیں — اب مجھے اپنا فرض نبھا نے دیجئے — یوں بھی شیلا کے پتا کے مرنے کے بعد میں نے دونوں بچوں کو پال پوس کر بڑا کیا تھا۔"

"میں جانتا ہوں۔ لیکن ....."

"آپ ضد نہ کیجئے بلکہ میرے راستے کو آسان بنانے میں میری مدد کیجئے۔ چندروز کی بات نہیں جہاں بھی دور دور تک جہان ہے۔ یوں بھی مجھ سے بے کار نہیں بیٹھا جاتا — انسان ہاتھ پاؤں ہلاتا ہے تو ٹھیک رہتا ہے —" ماں نے جھکی نظروں سے کہا۔

"میں کیوں کر کہہ سکتا ہوں نہ اگر آپ نصیحتیں تو روکنا بھی نہیں چاہتا۔ آپ جیسا چاہتی ہیں ویسا ہو جائے گا —" کرم چند نے جواب دیا۔

"آپ چند برتنوں کا انتظام کر دیجئے۔ آٹا دال ہم بازار سے لے آئینگے۔" ماں نے کہا۔

"میں منگا دوں گا۔ آپ کو بازار جانے کی ضرورت نہیں —"

"آپ کی مہربانی ہوگی —" شیلا کی ماں نے آہستہ سے کہا۔
شیلا کی ماں جب بھی کرم چند یا سیوک رام سے بات کرتی یا اُن کا سامنا ہو جاتا تو وہ سر پہ دوپٹہ ہی نہ کر لیتی بلکہ آدھے چہرے کو چھپا لیتی

"لیکن آپ کے پاس پیسے ......"

"تھوڑے سے ہیں۔ دو تین سو روپے —"

"وہ آپ کے کام آئیں گے —"

"آپ فکر نہ کریں۔ تھوڑا سا زیور ہے۔ اور آپ کوشش کر کے شیلا کے پتا جی کی پنشن جاری کرا دیجئے —"

"لیکن زیورات تو شیلا کے کام آ سکتے ہیں۔"

"لیکن دن تو کاٹنا ہی ہیں —"

"آپ خواہ مخواہ ......"

"نہیں بھائی صاحب! آپ فکر نہ کیجئے۔ ہمیں تو سر چھپانے کو جگہ مل گئی ہے — لاکھوں لوگ تو پٹڑیوں پر پڑے ہیں — پھر ہم ماں بیٹی نے دال روٹی کھانی ہے۔ سو کچھ معمولی رقم میں پانچ چھ ماہ کاٹ لیں گے —"

کرم چند بے بس ہو گیا۔

اُس روز ماں بیٹی نے علیحدہ کھانا بنایا۔ مصائب کسی دن معین نہیں ہوتے۔ ماں جاں بہ لب عورت تھی وہ جوانی میں بیوہ ہو گئی تھی ان دو معصوم بچوں کو صبر اور کفایت شعاری سے پال پوس کر جوان بنایا تھا۔ تعلیم میں کسر نہ رکھی تھی۔ وہ ان حالات میں بھی اپنی اکلوتی بیٹی کو پال پوس سکتی تھی اور اس کے ہاتھ پیلے کر سکتی تھی۔

بیوہ ہو کر اُس نے تمام زیورات اُتار ڈالے تھے۔ لیکن اس کا بیٹا بڑا حیادار تھا تو اُس نے کلائیوں میں دو چوڑیاں پہنے رکھیں۔ کشور کے مرنے کے بعد اُس نے انہیں اُتار ڈالا تھا۔ بیٹے کے مرنے کے بعد وہ مکمل طور پر بیوہ ہو گئی تھی — شیلا کے جسم پر ڈھائی تین تولے کے زیور تھے۔ ان زیورات کا کیا بنا۔ شیلا بھی نہ جانتی تھی — جب شیلا کو لباس بدلنا

ہونا تو ماں ہی ٹرنک کھولتی اور لباس نکال دیتی ۔ اُس نے بیٹی کو ٹرنک نہ کھولنے دیے تھے اور نہ ہی چابیاں دی تھیں ۔

ان ٹرنکوں میں تیس تولے سے زاید کے زیورات تھے ۔ کہنے کو اُس نے کرم چند سے کہہ دیا تھا کہ اُس کے پاس دو تین سو روپیہ ہے ۔ لیکن ایک ٹرنک کے خفیہ خانے میں دو ہزار سے زاید نقد روپیہ تھا ۔ پھر ڈاکخانہ میں تین ہزار سے زاید روپیہ تھا ۔ لیکن اب ڈاکخانہ سے روپیہ نکلوایا نہ جا سکتا تھا ۔

دن گزرتے رہے ۔ سیوک رام اور کرم چند کا سلوک خوش گوار تھا شیلا بوڑھی دادی اور کرم چند کے بچوں سے گھل مل گئی تھی ۔ وہ جوان بھائی کی ناگہانی موت کو فراموش کرتی جا رہی تھی ۔ اُس کی عمر کا یہی تقاضا تھا ۔

ایک ماہ گزر گیا ۔

شہر میں کئی مکان خالی ہوئے اُن پر مہاجرین نے قبضہ کر لیا ۔ ایک روز ماں نے بیٹی سے کہا کہ سیوک رام سے کہیں کہ ہم نہیں بھی کسی مکان کا قبضہ دلا دے شام کو شیلا نے سیوک رام سے کہا تو سیوک رام مسکرا کر بولا ۔

"کیوں بیٹی شیلا تمہیں یہاں تکلیف ہے ؟"

"تکلیف تو کوئی نہیں لیکن آپ کے لئے کہہ رہے تھے ۔"

"میرے لیے کیوں ــــ؟"

"ایک کمرہ میں نے لے رکھا ہے۔ آپ کو ناحق پریشانی ہوگی۔ ہم نے سُنا ہے کہ جیسا بھرا ہوا گھر ہم چھوڑ آئے ہیں ویسا ہی گھر یہاں مل جاتا ہے۔ سردی کا موسم آ رہا ہے۔ لحاف وغیرہ کی ضرورت پڑے گی۔ ہم برتن، کپڑے، بستر اور ضروریات کی دوسری اشیاء چھوڑ آئے ہیں۔ اگر یہاں مل جائیں تو ہماری بسر ہو جائے گی۔"

"چکلے ہے تو ایسی باتیں سوچا نہیں کرتے۔ لوگ آج لوٹ مار کر رہے ہیں۔ لیکن میں پولیس افسر ہوں اور جانتا ہوں کہ کسی وقت بھی آرڈر آ سکتے ہیں کہ لوٹ کا مال برآمد کر لیا جائے۔ حقیقت لوگ دائر ہوں گے۔ پھر چوری تو چوری ہی ہے ــــ" میوک رام نے دلیل دی۔

"لیکن ہزاروں لوگ کر رہے ہیں ایسا ــــ" شیلا نے اپنی سمجھ کے مطابق کہا ــــ

"تمہیں کیا ضرورت پڑی چچا پولیس کے چکر میں پڑو ــــ قانون کا ہاتھ بہت لمبا ہوتا ہے۔ تم ایسی باتیں نہ سوچا کرو۔ تمہیں یہاں تکلیف ہے؟" میوک رام نے ہنس کر کہا۔

"تکلیف تو کوئی ہے نہیں چاچا جی ــــ!"

"بس پھر بھاگ جاؤ ــــ اور جا کر سو کر بیٹھو ــــ"

"چاچا جی! ایک بات کہوں ــــ" شیلا نے بڑی معصومیت سے کہا ــــ"

"میں سمجھ گیا ہوں ۔۔۔" سیوک رام نے ہنس کر کہا۔
"بھلا بوجھئے میں کیا کہوں گی ۔۔۔؟"
"بوجھوں ۔۔۔؟"
"جی ہاں ۔۔۔"
"سیتا کا بیاہ ۔۔۔ کہو غلط بوجھا ہے ۔۔۔؟"
"غلط نہیں ۔۔۔ آپ نے ٹھیک ہی بوجھا ہے ۔"
"آج نہیں کل شام چھ بجے ۔۔۔ کرم چند کے دونوں لڑکوں کو لیا تھا" سیوک رام نے ہنس کر کہا۔
"سیتا خوش ہو کر اچھے گھرانے میں پہونچی ۔۔۔ اس سے شام سندان سنتا تی"
"کچھ سمجھ نہیں سکی ہیں ۔"
"کیوں ماں ایسی کون سی بات مشکل ہے ۔"
"تم بھی ہو ہر شرنارتھی نے کسی نہ کسی مکان یا دکان پر قبضہ کر لیا ہے ۔۔۔ لیکن سیوک رام جی نے قانون کا خوف دلا دیا ۔۔۔ میرا خیال تھا کہ پولیس افسر کی حیثیت سے اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لا سکیں گے اور ۔۔۔۔۔"

"اور کیا ماں ؟"
"کچھ نہیں ۔ کچھ نہیں ۔۔۔" ماں نے یوں کہا جیسے وہ خود سے باتیں کر رہی ہو اور سلسلہ کرنے میں نہ ہو ۔

"ماں تم کچھ چھپا رہی ہو — بتاتی کیوں نہیں ہو — ؟"

"کیا بتاؤں بیٹا — !" ماں نے گہرا سانس لیا — "پچھلے چند دنوں میں کئی کئی بھاری بھاری ٹرنک اس گھر میں آ گئے ہیں — "

"کیا مطلب — ؟"

"بیٹی تم کھیل کود میں مصروف رہتی ہو۔ کام کیا چھوٹا ہے تم نے تو پڑھنا ہی بند کر دیا ہے۔ لیکن مجھے شک ہے کہ وہ ٹرنک نوٹوں کے بنڈلوں سے ہی بھرے ہوتے ہیں — "

"ماں! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ چاچا شیو کرم رام بڑے بھلے آدمی ہیں۔ وہ ایسا کیوں کرنے لگے"

"میں کب کہتی ہوں کہ وہ برا کر رہے ہیں۔ میں صرف یہ سوچتی ہوں کہ انہوں نے ہمارے مکان پر قبضہ کرنے سے انکار کیوں کر دیا — اگر کل قانون کا ہاتھ بڑھتا تو وہ بڑی آسانی سے پردہ ڈال سکتے ہیں۔ وہ کہہ سکتے ہیں کہ جب ہم نے مکان پر قبضہ کیا تو اس میں کچھ نہ تھا۔ وہ خالی تھا — خیر —" ماں نے کہا اور گہرا سانس لے کر خاموش ہو گئی۔

"ماں! تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ وہ جان بوجھ کر ہمارے مکان کا انتظام نہیں کرنا چاہتے — ؟" سشیلا نے پوچھا۔

"نہیں بیٹی! ایسی کوئی بات نہیں — ماں نے پردہ ڈالنا چاہا — وہ جانتی تھی کہ ابھی سشیلا بچی ہی تھی۔ کہیں یہ بات شیو کرم رام کو چند

سے کہہ دے تو بات بگڑ سکتی تھی۔

"پھر تم ایسا کیوں سوچتی ہو ۔۔۔؟"

"ہر بات پر بحث نہیں کیا کرتے۔" ماں نے تھکے انداز میں کہا ۔۔۔
"اب تم بچی نہیں ہو سمجھنے کی کوشش کرو آخر اس گھر میں ہم تا عمر نہیں رہ سکتے ۔۔۔"

"پھر کہاں جائیں ۔۔۔؟"

"میں جانے کیلئے نہیں کہہ رہی ہوں۔ لیکن ایک نہ ایک روز تو اپنا گھر بنانا ہی پڑے گا ۔۔۔ اپنا گھر خواہ ایک کمرہ پر مشتمل ہو، اپنا ہوتا ہے۔"

"لیکن ماں! باہر حالات اچھے نہیں! اپنے پرائے کی تمیز نہیں ۔۔۔ ہم کیوں کر رہ سکیں گے ۔۔۔؟"

"وہ الگ بات ہے ۔۔۔ طوفان روز بروز کم ہوتا جا رہا ہے۔ کیا تم نہیں جانتی ہو کہ جب میں بیوہ ہوئی تھی تو میری عمر صرف چوبیس برس کی تھی ۔۔۔ میں نے اپنی جوانی اور حسن کو دنیا سے چھپا کر رکھا ۔۔۔ کوئی وجہ تھی کہ جو میں نے رشتہ داروں کے پاس رہنا مناسب نہیں سمجھا اور وہاں اپنا گھر بنایا ۔۔۔ باپ کی طرح سوائی کی تمہاری۔ دو چار مہینے کی بات نہیں۔ لیکن جیسے ہی یہ طوفان ختم ہوگا۔ تو میں تیری شادی کر دینا چاہتی ہوں ۔۔۔ اور اس کیلئے ضروری ہے کہ انسان کا اپنا گھر ہو ۔۔۔ خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو۔" ماں نے جذباتی ہو کر کہا۔

شیلا شادی کے نام پر حیا سے سمٹ گئی۔

"اور ہاں جو مجھ میں اور تجھ میں باتیں ہوئی ہیں اُن کا ذکر بیلو کے ماما جی یا کرم چند جی سے نہ کرنا۔"

"نہیں ماں ... کیا میں پاگل ہوں ...؟"

چند روز بعد حکومت نے اعلان کیا کہ تمام شرنارتھی خود کو رجسٹرڈ کرا لیں۔

وقت گزرتا رہا۔

چار ماہ گزرنے کے باوجود ماں بیٹی اپنے لیے علیحدہ رہائش کا انتظام نہ کر سکیں۔

پھر ایک روز اعلان ہوا کہ تمام شرنارتھی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد جو چھوڑ آئے ہیں اس کا کلیم پُر کر دیں۔

جنوری کے شروع میں شیلا کی ماں نے کرم چند کے ساتھ جا کر کلیم کے کاغذات پُر کر دیے۔ اس کے ساتھ ہی درجنوں گرم افواہیں پھیلیں۔ ان میں یہ افواہیں بھی تھی کہ حکومت نقد اور جائیداد کی شکل میں معاوضہ ادا کرے گی ــــ ان افواہوں نے لوگوں میں زندگی پھیر دی اور ان کی ہمت بڑھ گئی۔

کلیم کے کاغذات پُر کر کے شیلا کی ماں شیلا اور کرم چند کے ساتھ

گھر والی تو کمرے میں داخل ہوتے ہی اُس کا ماتھا ٹھنکا۔ اس کی غیر موجودگی
میں کوئی اُن کے کمرے میں آیا تھا۔

اُس نے تیزی سے دروازہ بند کیا۔

"شیلا تم ذرا دروازے کا خیال رکھنا۔"

"کیا مطلب ماں —؟" شیلا نے سادگی سے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ کوئی اگر ادھر آ رہا ہو تو اسے دروازے کے باہر
ہی روک دینا — کہنا ... کہنا ... کہ ماں کپڑے بدل رہی
ہے —"

"بات کیا ہے ماں، تم اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو —؟"

"تمہاری بحث کی عادت نہیں جائے گی۔ ہر بات میں جرح کرتی
رہا کرو۔ جو کہہ دیا ہے وہ کرو۔" ماں نے ڈانٹا۔

"اچھا ماں —" کہہ کر شیلا دروازے میں جا کر کھڑی ہو گئی۔

ماں نے شلوار کے ازاربند میں بندھے ہوئے چابی کے
گچھے کو نکالا۔ کانپتے ہاتھوں سے جس سے ٹرنک کا قفل کھولنا
چاہا — تالا کھل نہ رہا تھا گھبراہٹ میں وہ غلط چابی لگا رہی تھی —
صحیح چابی لگی تو تالا کھلا — اُس نے جلدی جلدی کپڑے اُٹھانے شروع
کر دیئے۔ وہ نیچے تک دیکھتی گئی — ٹرنک میں جو کچھ تھا اُسے عام
آدمی نہ پکڑ سکتا تھا۔ سب ٹھیک تھا۔ اُس نے ٹرنک کو تالا لگا کر
دوسرا ٹرنک کھولا۔

"ایک بار ___ دو بار ___ اس نے تمام کپڑوں کو اچھی طرح دیکھا۔ بالآخر سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"کہاں تھا اس ساڑھی کے بعد ___" ماں بڑبڑائی۔

"کیا تھا ماں ___؟" شیلا بول پڑی۔

"کچھ نہیں! تم دروازے کا خیال رکھو ___" ماں نے کانپتی آواز میں کہا ___ اب ایک بار پھر اس نے ایک ایک کرکے تمام کپڑے دیکھے ___ لیکن بات وہیں کی وہیں رہی۔

"کیا ہوا ماں ___؟" شیلا ماں کو اس حالت میں دیکھ کر دروازہ چھوڑ کر اس کے پاس آکر بولی۔

"کچھ نہیں ___" ماں نے پژمردہ لہجہ میں کہا۔

"کچھ کھو گیا ہے؟"

"کھو گیا ہے۔ ہاں تیرا ایک سوٹ کھو گیا ہے شنیل کا سوٹ، جو سوا سو روپے میں خریدا تھا۔"

"سوٹ کھو گیا ہے ___" شیلا چلا پڑی ___ "کیا کہہ رہی ہو ماں؟"

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ___ ذرا آہستہ سے بول"

"تم نے تالا میرے سامنے کھولا ہے ___؟" شیلا سہم کر ماں کے پاس بیٹھ گئی۔

"ہاں ___"

"پھر کسی نے تالا توڑ کے یا کیسے نکال لیا ___؟"

"دیکھی ۔۔۔ یہ کسی بہت ہوشیار چور کا کام ہے جو بنا چابی کے تالا کھول سکتا ہے اور بند کر سکتا ہے ۔۔۔"

"میں جا کر چاچا سیوک رام کو بلا کر لاتی ہوں ۔۔۔" کہہ کر شیلا کمرے سے باہر جانے کے لئے کھڑی ہو گئی۔

"پاگل نہ بنو ۔۔۔" ماں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"اس میں پاگل پن کی کیا بات ہے؟ وہ تھانیدار ہیں شام تک چور کو پکڑ لیں گے ۔۔۔" شیلا بولی۔

"نہیں ۔۔۔"

"کیوں ۔۔۔؟"

"اس لئے کہ چور پکڑا نہیں جا سکتا ۔۔۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو ماں ۔۔۔! پولیس والوں کے گھر چوری ہو جائے میں سیدھی تھانے جاتی ہوں اور چاچا جی کو بتاتی ہوں ۔۔۔"

"تیرا دماغ چل گیا ہے ۔۔۔ وہ کچھ نہیں کر سکتے ۔۔۔" ماں نے ڈانٹا

"کیوں نہیں کر سکتے ۔۔۔؟"

"بے وقوف اب میں تمہیں کیسے سمجھاؤں دیکھو اس بات کا ذکر کبھی نہ کرنا ان سے یا کسی سے بھی ۔۔۔ کچھ نہیں ہوتا ۔۔۔!"

"تمہارا مطلب ہے انہوں نے چوری کی ہے ۔۔۔"

"مطلب مت نکالا کر ۔۔۔ اب تو بچی نہیں ہے۔ دریا میں رہ کر مگرمچھ سے دشمنی نہیں کی جا سکتی ۔۔۔" ماں نے سمجھایا ۔۔۔ "ہماری

بہتری اسی میں ہے کہ ہم کوئی بات نہ کریں ۔۔۔"

"لیکن ماں! اگر ہم چُپ رہے تو کل کچھ اور چوری ہو جائیگا۔" سشیلا نے کہا۔

"اس کے باوجود ہمیں زبان پر تالا ڈالنا پڑیگا ۔۔"

"ماں! اگر تم کو سیوک رام کی بیوی پر شک ہے تو میں چاچا گوبند کو کہہ دیتی ہوں ۔۔۔"

"تو کسی سے بھی کچھ نہ کہے گی وعدہ کر ۔۔"

"اچھا ۔۔" سشیلا کو شکست تسلیم کرنی پڑی شکست تسلیم کرنے میں اُسے بڑا دکھ ہوا۔ اُس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ پولیس تو لوگوں کے گھروں میں ہونے والی چوریوں کا سراغ لگا لیتی ہے۔ پھر اپنے گھر میں ہونے والی چوری کا پتہ کیوں نہ لگا سکیں گے ۔۔ ماں اُسے خواہ مخواہ روک رہی تھی ۔۔ "ماں صرف سوٹ ہی گیا ہے۔ یا کچھ اور بھی ۔۔؟"

"ایک سو چالیس روپے نقد تھے وہ بھی چلے گئے ہیں ۔"

"ایک سو چالیس روپے بھی ۔۔" سشیلا چلائی۔

"آہستہ بول بیوقوف لڑکی ۔۔!"

"زیور بچ گیا ہے ۔۔؟"

"ہاں ۔۔!"

"زیور کون سے ٹرنک میں ہے ؟"

"میں نے کہہ دیا کہ زیور چوری نہیں گیا۔ پھر کیوں یوں نے جا رہی ہے؟"
"لیکن ماں تم نے دو چوڑیاں اُتاری تھیں وہ کہاں ہیں ۔۔۔؟"
"چند روز ہوئے میں نے فروخت کر دی تھیں ۔۔" ماں نے جھوٹ بولا
"اب کیا بنے گا ۔۔ تمام نقدی جاتی رہی ہے۔ پتا جی کی پنشن کا ابھی کچھ بنا نہیں۔ ڈاکخانے سے روپیہ نکلوایا نہیں جا سکتا ۔۔ اب ہم کیا کریں گے ۔۔۔ کہاں سے کھائیں گے ۔۔۔" شیلا نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔
"خیر اس کی فکر مجھے کرنا ہے! تو آج سے ان لوگوں کے پاس کم بیٹھا کر ۔۔" ماں نے ہدایت دی۔
"بہتر ۔۔"
اُس تمام ماں بیٹی نے کھانا نہ کھایا۔ ماں نے شیلا سے کہا کہ وہ تھوڑی دیر کیلئے بازار گھوم آئے۔ وہ چور خانے سے کچھ نقدی نکالنا چاہتی تھی ۔۔ شیلا باہر نکلی تو اُسے سیوک رام نے بلا لیا۔
"کیا بنا تمہارا آج ۔۔۔؟"
"ہم کلیم کھبر آئے ہیں ۔۔"
"کتنے کا ۔۔؟"
"بیس ہزار کا ۔۔ مکان اور سامان کا ۔۔"
"بہت اچھا کیا ۔۔"
"معلوم نہیں گورنمنٹ کچھ دے گی بھی یا نہیں۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ پنشن پہلے ملنی شروع ہو جائے ۔۔"

"ضرور دے رہی گی ـــ سرکار بہت نہیں تو تھوڑا ضرور دے گی۔"

"لیکن چاچاجی! کرم چند چاچا نے اپنا کلیم نہیں بھرا۔" وہ کہنے لگے۔ "کوئی فائدہ تو ہے نہیں۔ سرکار چھوٹی قسطیں دے رہی ہے۔"

"کرم چند نے کس چیز کا کلیم بھرنا تھا ـــ؟" سیوک رام نے مسکرا کر پوچھا۔

"لیکن کیا وہ اپنا مکان نہیں چھوڑ آئے ہیں ـــ؟"

"کون سا مکان ـــ؟"

"واہ آپ تو یوں پوچھ رہے ہیں جیسے اپنے بھائی کو جانتے ہی نہیں ہیں۔ ہمیں اُنہوں نے کالج کے کیمپ میں بتایا تھا کہ اُن کا آدھے کٹبال کا مکان ہے۔ بہت بڑی دکان ہے ـــ" شیلا نے معصومیت سے کہا۔

"کرم چند کا ذاتی! ... مکان اور اُس کی دکان ـــ واہ خوب! یہ کرم بھی خوب آدمی ہے۔ ساری زندگی کرایہ کے مکانوں میں گذاری ہے جس مکان میں رہا اُس کا آٹھ دس مہینے کا کرایہ ہضم کر گیا۔ جس مکان میں کرایہ دار ہو گا اُسی کو اپنا بتا رہا ہو گا ـــ" سیوک رام نے ہنس کر کہا۔

اُس انکشاف کے بعد شیلا کی زبان گنگ ہو گئی۔ اب اُس کی سمجھ میں آیا ـــ کہ ماں نے کیوں کہا تھا کہ چوری سے متعلق کرم چند یا سیوک رام سے بات نہ کرے۔ وہ باہر جانے کی جگہ اپنے کمرے کو چل دی ـــ

"کہاں چلیں ـــ؟" سیوک رام بولا۔

"ماں نے ابھی کھانا نہیں بنایا ـــ جا کر اُس کا ہاتھ بٹاتی ہوں ـــ"

شیلا نے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اُس کی ٹانگیں ایک نامعلوم خوف سے کانپ رہی تھیں۔ وہ سیوک رام کے پاس رہ کر خود کو محفوظ نہ سمجھ رہی تھی۔ تیزی سے اپنے کمرے میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔

"ماں" کہہ کر وہ ماں سے لپٹ گئی۔ اُس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ "ماں تم ٹھیک کہہ رہی تھیں۔"

"کیا ہو گیا ہے تم اتنی گھبرائی کیوں ہو؟"

"ہاں! تم نے ٹھیک کہا تھا۔ ہمیں ان لوگوں کو چوری کے متعلق نہیں بتانا چاہئے۔" شیلا نے اُکھڑے سانس کے ساتھ کہا۔

"کیوں؟"

"میں ابھی ابھی چاچا سیوک رام سے بات کر کے آئی ہوں۔"

"تو نے چوری کے متعلق بتا دیا ہے؟"

"نہیں ماں۔ میں باہر جا رہی تھی۔ اُنہوں نے بُلایا۔ پوچھنے لگے۔ کلیم پھر آئی ہو۔ میں نے کہا۔ ہاں۔ پھر میں نے کہا کہ چاچا کرم چند نے کلیم نہیں بھرا۔ جانتی ہو ماں اُنہوں نے کیا کہا؟"

"کیا کہا؟"

"کہنے لگے کرم چند تمام عمر کرائے کے مکانوں میں رہا ہے۔ اس کا آدھے کنال کا مکان کہاں سے آ گیا؟ وہ تو آٹھ دس ماہ کا کرایہ مار لیتا تھا۔ لوگوں کا۔ اس کی کوئی دکان بھی نہ تھی۔"

مجھے پہلے ہی شک تھا ۔"

" ماں اب کیا ہوگا ۔۔۔ ؟ ہم بُری طرح پھنس گئے ہیں ! "

" گھبرانے کی ضرورت نہیں ۔۔ میں جانتی ہوں کہ ہم بُری طرح پھنس گئے ہیں ۔ لیکن یہ وقت گھبرانے اور ہمت کھونے کا نہیں ہے ۔ مگر جو کچھ ہو گیا تو اُس کیلئے فکر نہ کر ۔۔ تو ایک کام کر ۔۔۔"

" کہو ماں ۔۔ ! "

" کل دن میں جب تھانیدار صاحب چلے جائیں تو تو کرم چند سے کہنا کہ ہمارا رفیوجی رجسٹریشن سرٹیفکیٹ دیدے ۔ میں نے آج مانگا تھا ۔ لیکن کرم چند ٹال مٹول کر گیا ۔۔۔"

" ماں ! یہ لوگ ہماری جائیداد پر قبضہ کرنا تو نہیں چاہتے ۔۔۔ ؟ "

" پھر وہی بات ۔۔ میں نے کتنی بار سمجھایا ہے کہ تو کم بولا کر ۔۔۔ زیادہ بولنا اچھا نہیں ہوتا ۔۔ جو کہتی ہوں وہ کر ۔۔۔"

" اچھا ماں ۔۔ " شیلا نے دبے لہجہ میں کہا ۔ " ماں ایک بات بتاؤں ۔۔۔ ؟ "

" بتا ۔۔۔ ! "

" ایک روز کرم چند کہنے لگا ۔۔ شیلا تمہیں فلموں کا بہت شوق ہے ؟ میں نے کہا ۔ " ہاں ۔۔۔ "

" وہ بولا ۔۔ تم ایکٹرس بن جا ۔۔۔ ایکٹرس ہر سال لاکھوں روپے کما لیتی ہے ۔۔ "

" یہ بات تو نے پہلے کیوں نہ بتائی ـــ ؟" ماں غصہ میں سُرخ ہو کر بولی۔
" اسی لئے تو سارا سارا دن اُن کے پاس بیٹھی رہتی تھی ۔ کرم چند کے سر میں خاک ڈالوں ـــ اپنی ماں کو بتلائے اگر نہیں یا اپنی بیوی کو بتائے ـــ "
" ماں ! اب کیا ہوگا ـــ ؟"
" تو فکر نہ کر ـــ بچانے والا بھگوان ہے ـــ اُس نے آج تک میری لاج رکھی ہے ، اب بھی رکھے گا ... تو آج سے ان لوگوں کے پاس اُٹھنا بیٹھنا کم کر دے ۔ اور کوشش کرکے تو سرٹیفکیٹ لے لے ۔
پھر ہم یہاں سے نکل جائیں گے ـــ "
" لیکن کہاں ـــ "
" جہنم میں ـــ بند کر دے ہر بات میں جرح کرنا ـــ اب اُٹھ کر کوئلے سلگا ـــ "
" ماں بیٹی اس شب دیر تک سرگوشیانہ انداز میں باتیں کرتی رہیں ۔

اگلے روز شیلا نے کرم چند سے سرٹیفکیٹ مانگا تو وہ ٹال مٹول کرنے لگا۔۔ یہیں کہیں ہوگا ۔۔ تلاش کر کے دے دوں گا ۔۔

شیلا نے یہ جواب ماں کو سُنایا تو وہ گھبرا اُٹھی ۔۔ اُسے یقین ہوگیا کہ وہ ان لوگوں کے جنگل میں بُری طرح پھنس گئی ہے ۔ یہ لوگ کسی وقت زہر دے کر اُسے ہلاک کر سکتے تھے اور بعد ازاں اُس کی جوان بیٹی اور جائیداد پر قبضہ کر سکتے تھے ۔

چھٹے روز شیلا نہا کر اور سر دھو کر غسل خانہ سے نکلی ۔ بال شانوں پر بکھرا کر دھوپ میں بیٹھ کر سکھانے لگی ۔۔ ماں نے پکارا تو کمرے میں پہنچی ۔

" بال ذرا سوکھ جائیں تو بازار جا کر تھوڑا سا گھی لے آؤ ۔۔ "

" اچھا ماں ۔۔ ! " کہہ کر شیلا باہر جانے لگی ۔

" شیلا ۔۔ ! " ماں نے پکارا ۔

"کیا ہے ماں ؟" شیلا نے چونک کر کہا
ماں اُس کے چہرے کو گھور رہی تھی۔
"کیا دیکھ رہی ہو ماں ——— !"
"تیرے کان کیوں خالی ہیں ——— ؟"
"میرے کان ———" شیلا نے کہا اور اُس کے ہاتھ کانوں پر
چلے گئے ——— "میرے آویزے ——— بال میں تیل ڈالتے وقت
غسل خانہ میں رکھے تھے ———" کہہ کر وہ تیزی سے غسل خانہ کی طرف بھاگی
اس نے تمام غسل خانہ چھان مارا۔ لیکن آویزے نہ مل سکے۔
شیلا ایک لڑکی تھی۔ ایک عام لڑکی کی طرح اُسے زیور عزیز تھا
آویزے نہ ملے تو اُس نے غسل خانہ میں ہی زور زور سے رونا شروع کر دیا
گھر میں کہرام مچ گیا۔ ماں غسل خانہ میں پہونچ گئی۔
"کیوں کیا ہوا ——— ؟"
"ماں یہاں نہیں ہیں ——— !" شیلا نے روتے ہوئے کہا
"تجھے یاد ہے تو نے یہاں اُتارے تھے ———" ماں نے پوچھا
"ہاں ماں ———"
اتنے میں بوڑھی دادی، سیوک رام اور کرم چند کی بیویاں بھی آگئیں۔
"کیا ہو گیا ہے ——— ؟" سیوک رام کی بیوی نے پوچھا۔
"شیلا سر دھونے لگی تو اُس نے آویزے اُتار کر رکھے تھے ———
کمرے میں گئی تو میں نے خالی کان دیکھے ——— یہ بھاگی بھاگی یہاں آئی ———

اور اب کہتی ہے کہ آویزے یہاں نہیں ہیں ۔"

"یہاں نہیں ہیں تو کیا غسلخانہ کھا گیا ۔۔۔ ؟" سیوک رام کی بیوی بولی

"کیا یہاں کوئی آیا تھا ۔۔ ؟" ماں نے دھیمے سے پوچھا۔

"میرے سامنے تو یہ نکلی ہے۔ آنا کس نے تھا ۔" کرم چند کی بیوی بولی

"ماں مجھے اچھی طرح یاد ہے سر دھونے سے پہلے میں نے اُتار کر اس جگہ رکھے تھے۔" شیلا نے جگہ کی طرف اشارہ کیا۔

"اری چھوکری! تو نے اگر سر دھونا تھا تو آویزے اُتارنے کی ضرورت کیوں آن پڑی ۔۔ ؟" سیوک رام کی بیوی نے پولیس کے انداز میں کہا۔

اتنے میں کرم چند بھی وہاں آ گیا۔

"اس کے آویزے کھو گئے ہیں۔ کہتی ہے یہاں رکھے تھے ۔۔" سیوک رام کی بیوی نے بتایا۔

کرم چند نے بر معنی نگاہوں سے اپنی بیوی کو دیکھا پھر شیلا سے مخاطب ہوا ۔۔ "بیٹا تم سے غلطی تو نہیں ہوئی ۔۔۔ شاید تم نے کسی اور جگہ رکھے ہوں اُتار کے ۔۔"

"نہیں چاچا جی میں نے غسل سے پہلے آویزے یہیں رکھے تھے ۔۔۔ سر کے بال دھونے لگی تو اُتار کر میں نے یہاں رکھے تھے یہاں سے اُٹھ کر تک گئی ہوں اور وہاں سے اُلٹے پاؤں آئی ہوں ۔۔ لیکن آویزے غائب ہیں"

شیلا روئے جا رہی تھی۔

"اب رو رو کر محلہ اکٹھا کرے گی ۔۔" سیوک رام کی بیوی نے ڈانٹا۔

"لیکن میرے آویزے یہاں سے چوری ہوئے ہیں —" شیلا دبی آواز میں بولی۔

"شیلا —!" ماں نے ڈانٹا۔

"چوری ہو گئے ہیں —! تمہارا مطلب ہے کہ ہم میں سے کسی نے چوری کئے ہیں۔ کل کی چھوکری! اگز بھر لمبی زبان ہے تیری — تو ہم لوگوں پر چوری کا الزام لگا رہی ہے۔ سوچ کر بول —" سیوک رام کی بیوی گرج کر بولی — "ہماری شرافت کا یہ پھل دیا تو نے —! اس رانڈ اور اس آوارہ چھوکری کو پناہ دی ہم نے — کرم چند! تو سُن رہا ہے یہ تہمت!"

"بھابھی غصہ نہ کرو۔ یہ بچی ہے —" کرم چند نے صفائی پیش کرنی چاہی —

"یہ بچی ہے —! میں کہتی ہوں کسی یار کو دے آئی ہو گی — اور اب ہم پر الزام لگا رہی ہے۔ میں پوچھتی ہوں تم انہیں لائے کہاں سے ہو —؟ کیا یہ سرائے ہے۔ یا دھرمشالہ ہے — لے جاؤ اپنے ان لگوں سگوں کو —!" سیوک رام کی بیوی آپے سے باہر ہو گئی۔

"بہن اتنا غصہ نہ کرو —" شیلا کی ماں نے تحمل سے کہا — "معمولی بات ہے — کھو گئے ہیں تو کیا ہوا۔ جہاں سب کچھ چلا گیا وہاں یہ چھ ماشے کے آویزے کیا معنی رکھتے ہیں —" اُس نے بات ختم کرنی چاہی۔

لیکن بات بڑھ گئی۔

"لو یہ ہم پر احسان جتلانے آئی ہے — اگر سب کچھ کھو گیا ہے تو کیا

ہم نے چھین لیا ہے ـــ یہ کہہ کر ہم پر احسان کر رہی ہو ـــ اپنی اس لاڈلی کو لے کر چلتی بنو ـــ آج اس نے آویزے کی چوری لگائی ہے کل کہیں منہ کا لا کرا آئی تو اس کی ذمہ داری اس گھر کے مردوں پر ڈال دے گی ـــ"

"میرے بھگوان ـــ!" کہہ کر ماں نے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔

"بھابی جی آہستہ بولو ـــ" کرم چند نے کہا۔

"کیوں بولوں آہستہ ـــ! تمہیں اُن سے ہمدردی ہے تو جا کر رکھو جہاں تمہارا جی چاہے ـــ یہ لوگ اب اس گھر میں ایک پل نہیں رہ سکتے میں ابھی سوم کو بھیجتی ہوں تاکہ تھانے دار صاحب کو بلا لائے ـــ" سیوک رام کی بیوی گرجی۔

"کیا وہ ہمیں قید کرا دیں گے ـــ؟" شیلا چلائی۔

"قید..." سیوک رام کی بیوی نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن ماں نے شیلا کے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کر دیا۔

"کتنی بار کہا ہے بڑوں کے منہ نہیں لگتے ـــ" ماں بولی۔ پھر وہ سیوک رام کی بیوی سے ہاتھ جوڑ کر مخاطب ہوئی ـــ "بہن جی! آپ ناراض نہ ہوں ہم پندرہ منٹ میں سامان باندھ کر چلے جاتے ہیں ـــ"

"چلے جاؤ گے تو کیا احسان کرو گے ـــ" سیوک رام کی بیوی گرجی۔

"بہن ہم کیا احسان کریں گے۔ آپ نے تو ہمیں پناہ دی ہے اور روٹی دی ہے اور سر چھپانے کو جگہ دی ـــ" شیلا کی ماں ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"لیکن اپنی لاڈلی سے تو پوچھو جو میری سوت بننے کی کوشش کر رہی ہے"

سیوک رام کی بیوی گرجی
"رام رام رام ۔" ماں نے کانوں میں اُنگلیاں دے لیں ۔
"بہن ! یہ اُن کی بیٹی کے برابر ہے چل شیلا سامان باندھ ۔"
سیوک رام کی بیوی بولتی رہی ۔ ماں بیٹی کمرے میں چلی گئیں ۔
وہاں تیاری کرنے میں رکھا ہی کیا تھا ۔ دو ٹرنک بندر ہتے تھے
چند کپڑے جو باہر تھے اکٹھے کئے ۔ بستر اسٹیا ۔ اور چند برتن جو خریدے
تھے ۔ اُن کی گٹھڑی بنالی ۔ ماں سامان اکٹھا کرتی ہوئی روتی جارہی تھی
شیلا الگ ہلکان ہو رہی تھی ۔
سامان تیار ہو گیا ۔
"مزدور کا پتہ نہیں ملے یا نہ ملے ۔ آؤ سامان گلی میں پہنچا دیں ۔"
ماں نے کہا ۔
"آؤ ۔" شیلا نے کہہ کر ٹرنک کو ایک طرف سے اُٹھایا ۔
ماں نے دوسری طرف سے ۔ ماں ڈر رہی تھی کہ کہیں یہ لوگ ٹرنک نہ
روک لیں اس صورت میں ماں بیٹی کیا کر لیتیں ۔ محلہ تھانیدار کے خلاف
ایک لفظ نہ کہتا ۔ جس ٹرنک میں زیورات اور نقدی تھی اُسے اُٹھا کر
اُنہوں نے گلی میں رکھ دیا ۔
"تو اس کے اوپر بیٹھ جا ۔" ماں بولی ۔ "میں باقی سامان لاتی ہوں"
"میں مدد کرتی ہوں تمہاری ۔" شیلا بولی ۔
"میں نے جو کہا ہے وہ کر ۔" ماں نے ڈانٹا ۔ شیلا کو کیا خبر

تھی کہ یہ ٹرنک کتنا قیمتی تھا۔

سیوک رام کی بیوی کمرے میں چلی گئی تھی۔ ماں دوسرے ٹرنک کو تنہا نہ اُٹھا سکتی تھی ماں اُسے گھسیٹ کر باہر لے جا رہی تھی۔

"میں ہاتھ بٹاتا ہوں آپ کا ——" کرم چند نے کہا۔

سشیلا کی ماں نے سر کا کپڑا درست کیا اور بولی —"آپ تکلیف نہ کریں۔ ہاں وہ سرٹیفکیٹ دیدیں تو بہت مہربانی ہوگی ——" ماں نے ٹرنک گھسیٹتے ہوئے کہا۔

"وہ —— وہ ....." کرم چند کے حلق میں آواز پھنس گئی۔

"اگر آپ دینا نہیں چاہتے تو نہ سہی ——" ماں نے کہہ دیا ...

وہ دوسرا ٹرنک گھسیٹ کر بڑے دروازے میں پہنچ گئی تھی۔

کرم چند کے ہاتھ پاؤں پھول گئے —— ماں نے دوسرا ٹرنک باہر گلی میں رکھا —— اور تیزی سے اندر جا کر برتنوں کی گٹھڑی اور بستر اُٹھا لائی۔

گلی کے کچھ لوگ جمع ہو گئے تھے —— ہر کوئی جاننے کیلئے مشتاق تھا کہ کیا ہو رہا تھا۔ ماں بیٹی رو کیوں رہی تھیں۔ لیکن ماں بیٹی نے کوئی جواب نہ دیا۔

کرم چند نے ابھی تک سرٹیفکیٹ نہ دیا تھا۔ وہ دروازے میں کھڑا تھا —— ماں نے گلی کے بیندرہ بیس مردوں عورتوں کو جمع پایا تو حوصلہ کر کے بولی۔

"بھائی صاحب! ہمارا سرٹیفکیٹ دید یجیے۔"

کرم چند نے چاہا کہ صاف مکر جائے۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ گلی کے لوگ چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ وہ اندر گیا اور سرٹیفکیٹ لے آیا۔ اور شیلا کی ماں کے حوالے کر دیا۔

"دیکھو بیٹی یہ ہمارا ہی ہے ـــــ" ماں نے سرٹیفکیٹ شیلا کو دیا شیلا نے سرٹیفکیٹ کھولا ـــ اس نے جب پڑھا تو اس کا سر چکرا گیا۔

"ماں ـــ" اُس نے ماں کے کان میں کہا ـــ "جانتی ہو اس میں کیا لکھا ہے ـــ؟"

"کیا یہ ہمارا نہیں ہے ـــ؟"

"ہے تو ہمارا۔ لیکن ....."

"آہستہ بول ـــ"

"ماں اس میں تمہارے خاوند کا نام کرم چند لکھا ہے ـــ"

"کیا ـــ!" ماں کے ہوش اُڑ گئے۔ لیکن اُس نے خود کو فوراً ہی سنبھال لیا۔ "اسے لپیٹ کر دوپٹے کے پلے میں باندھ لے اور اب ایک لفظ نہ بول ـــ"

ماں بیٹی نے دروازے کو دیکھا۔ وہاں کرم چند نہ تھا۔ ماں نے پاس کھڑے ایک لڑکے سے کہا ـــ "بیٹا تمہارا بھلا ہو۔ کسی مزدور کو بلا دے جو یہ سامان اُٹھا لے۔"

"سائیکل رکشا لا دوں ۔ سامنے ہی مل جائے گا ۔" لڑکے نے کہا
"وہی لا دے ___ شاباش میرا بیٹا ___!" ماں نے کہا ۔ وہ
اس گلی سے فوراً ہی نکل جانا چاہتی تھی ۔

دو منٹ بعد سائیکل رکشا آ گیا ___ سامان رکھا اور ماں بیٹی
بیٹھ کر روانہ ہو گئیں ۔ اُنہوں نے کرایہ طے کرنا بھی مناسب نہ سمجھا ۔

"کہاں چلوں ___؟" رکشا والے نے پوچھا ۔

"ریلوے سٹیشن ___" ماں نے حکم دیا ۔

"ماں کسی دھرم شالہ میں کیوں نہ چلیں ___؟"

"چُپ رہ ___!" کہہ کر وہ بیٹی سے آہستہ آہستہ باتیں کرنے
لگی ۔ رکشا محلے سے نکل گیا تھا ۔ اور اب وہ کھلی سڑک پر بھاگ رہا تھا
ماں اب خود کو محفوظ سمجھ رہی تھی ___ "اس شہر میں رہ کر موت کو دعوت
دینا ہے ___ جانتی نہیں ہو ۔ سیوک رام تھانے دار ہے ۔ وہ کسی
بدمعاش سے مجھے مروا سکتا ہے پھر تم پر ... سامان پر ، اور جائیداد پر قبضہ
کرے گا ۔ اتنا کچھ سُننے کے بعد بھی اس شہر میں رہنے کا بھوت نہیں
اُترا ۔ تجھے خصم دیدیا ۔ کنواری لڑکی پر یہ الزام لگاتے ہوئے شرم نہ
آئی اُنہیں ۔ اور یہ کرم چند بھیڑ کے لباس میں بھیڑیا نکلا ۔ سرٹیفکیٹ
نہیں دے رہا تھا ۔ مجھ بیوہ کو جو چوبیس برس کی عمر میں بیوہ ہو گئی تھی جس
نے خصم کے مرنے کے بعد آنکھ اُٹھا کر کسی غیر مرد کو نہیں دیکھا ۔ اُسے
اس بڑھاپے میں خصم دیدیا ۔ ارے بھگوان ! اتنا اندھیر ___ اس سے

تو بہتر تھا کہ ہم اسی شہر میں رہ جاتے۔ ان درندوں اور ان بھیڑ کے لباس
کے بھیڑیوں میں فرق ہی کیا ہے۔۔۔! مذہب کے نام کیا کچھ نہیں ہوا۔۔۔
اور اب کیا ہو رہا ہے ہمارے ساتھ۔۔۔ میں کئی مہینے سے جانتی تھی کہ ان
لوگوں کی نیت صاف نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ سیوک رام نے ہمیں کسی مکان پر
قبضہ نہیں کرنے دیا۔ یہ تو سب کچھ ٹھپ کر رہے تھے۔ اچھا ہوا تھا نیدار نی
نے غصہ میں سب کچھ کہہ ڈالا۔"

"ماں میرے آویزے تھا نیدار نی نے نہیں اٹھائے۔ یہ چاچا
کرم چند کی بیوی کی شرارت ہے۔۔۔"

"ابھی بھی چاچا کہتی ہے اس ہیچ اور کمینے کو۔۔۔" ماں نے کہا۔
خیر بھگوان انہیں سزا دے گا۔۔۔"

ماں بیٹی آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھیں۔ رکشا والا بولا۔ "ماں جی!
آپ کو کہاں جانا ہے؟"

"کہا تو ہے ریلوے سٹیشن۔۔۔!"

"وہ تو میں نے سُن لیا تھا۔ لیکن اس وقت کوئی گاڑی نہیں جاتی
ہے۔ آج کل گاڑیوں کا بُرا حال ہے۔ سینکڑوں لوگ سٹیشن پر ڈیرہ
جمائے ہوئے ہیں۔۔۔"

"تم چلے چلو۔۔۔" ماں نے ڈانٹا۔

سارا دیو ے سٹیشن پر ایک شہر بسا ہوا تھا۔ لوگ نہ معلوم کتنے دنوں سے وہاں مقیم تھے ــــ انہوں نے چولھے تک بنا رکھے ۔ ماں بیٹی ایک کونے میں بیٹھی تھیں۔ دوپہر ساڑھے بارہ بجے وہ یہاں پہنچے تھے ۔ اور اب شام کے ساڑھے پانچ بجنے والے تھے ۔ وہ ریل گاڑی کے متعلق پوچھ پوچھ کر تھک گئے تھے۔ لیکن گاڑی کی کوئی اطلاع نہ تھی۔ سردی بڑھنا شروع ہو گئی تھی ــــ ماں پریشان تھی کہ بستر میں ماں بیٹی کیسے سو سکیں گی۔ جو برائے نام بستر تھا۔

"ماں! اگر شب یہاں گزارنی پڑی تو مشکل ہو جائے گی ــــ"

"تیرے پاس شال ہے۔ اور میرے پاس بھی۔ کم از کم ہم چھت کے نیچے تو بیٹھے ہیں اور کونہ ہے۔ لحاف ہے۔ اُسے نکال لیں گے ــــ یا ضرورت پڑی تو آگ جلا لیں گے ــــ سردی کا اتنا فکر نہیں جتنا تھانیدار کا ہے ــــ وہ کہیں غنڈے نہ بھیجدیں۔ خیر بھگوان پر بھروسہ ہے اُس نے اب تک رکھا ہے تو اب بھی وہی بچائے گا ــــ"

ماں بیٹی خاموش ہو گئیں۔

تقریباً چھ بجے گھُپ اندھیرا چھا گیا ــــ اُن کے قریب ہی ایک چوبیس پچیس برس کا نوجوان آکر کھڑا ہو گیا۔ کسرتی بدن جسم پر نیلا گرم سوٹ۔ اُس کے کندھے پر پستول لٹک رہا تھا۔ وہ متلاشی نگاہوں سے کسی کو تلاش کر رہا تھا۔ شیلا اُسے گھورے جا رہی تھی۔ نہ معلوم کیوں؟

اُسے کھڑے دس بارہ منٹ ہو گئے تھے۔ ایک جواں مرد اُدھر سے گذر رہا تھا۔ اُس نیلے سوٹ والے کو دیکھ کر چلّایا۔

"اجے ــــ!"

نیلے سوٹ والے اجے نے پکارنے والے کو چونک کر دیکھا۔ وہ شخص آکر اُس سے لپٹ گیا ــــ"

"تم اس شہر میں کب آئے لیفٹننٹ اجے ــــ؟" دوسرے شخص نے کہا۔

"آنا گیا تھا ــــ" اجے بولا "بہن کو لینے گیا تھا ہو گے ــــ وہ آئیں نہیں۔ میں نے بڑا کہا کہ میرے ساتھ چلو۔ میں اکیلا ہوں اور نوکر کی روٹیاں کھاتے کھاتے تنگ آ گیا ہوں۔ لیکن کہنے لگیں۔ بچوں کے امتحان قریب آرہے ہیں۔ اسی لئے اب دہلی جا رہا ہوں۔ پتہ چلا کہ کیول سٹیشن پر آیا ہوا ہے۔ اُسے دیکھنے یہاں آ گیا تھا۔

"کونسی بہن، سبیتا ــــ؟"

"ہاں یار! اُنہیں ہی لینے آیا تھا ــــ سب بہن بھائیوں میں اُن سے ہی بنتی ہے ــــ تم جانتے ہی ہو ــــ" اجے نے مسکرا کر کہا۔

"پچیس برس کے ہونے لگے ہو۔ لیکن بہن سے آج بھی پانچ برس کے بچے کی طرح پیار کرتے ہو ــــ" شاید اتنا لگاؤ اور اُنس تمہیں اپنی ماں سے بھی نہیں ــــ" دوست نے ہنس کر کہا ــــ "اب شادی کرالو ــــ!"

"کیا کراؤں گا شادی ـــ" اچنے نے منہ بنا کر کہا ـــ "ابھی جھگڑوں میں پڑنا نہیں چاہتا ـــ"

"لڑکیوں کی شادی ہو جاتی ہے تو وہ سسرال کی ہو جاتی ہیں۔ سبیتا بہن کے بچے ہیں اب وہ اپنا گھر چھوڑ کر تمہارے پاس کیوں کر جا سکتی ہیں ـــ؟" دوست نے سمجھایا۔

"یہی کہنے گیا تھا جیجا جی سے۔ کہ میرے ساتھ سلیچھے میں تجارت کر لو ـــ اس بہانے بہن تو پاس رہے گی۔"

"کیا کاروبار شروع کرنے کا ارادہ ہے ـــ"

"ہاں پہاڑ پر ایک دوکان مل گئی ہے ـــ"

"مل گئی ہے یا قبضہ کر لیا ہے؟" دوست نے ہنس کر کہا۔

"کچھ سمجھ لو ـــ"

"تو تم نے فوج چھوڑ دی ہے؟"

"ہاں۔ مستقل کمیشن مل رہا تھا ـــ لیکن فوج کی زندگی راس نہیں آئی ـــ تم کیا کر رہے ہو آجکل ـــ"

"میں نے وکالت شروع کر دی ہے ـــ"

"اچھا کیا ـــ"

"اب کونسی گاڑی سے دہلی جا رہے ہو؟"

"گاڑی ـــ!" اچنے ہنس کر بولا ـــ "ان دنوں ریل گاڑیاں کہاں ہیں ـــ؟ اگر بھولے سے کوئی ریل گاڑی آ جائے تو غنیمت ہیں۔

بھری ہوئی ہوتی ہیں اور خدا جانے دہلی تین دن میں پہونچیں یا پانچ دن میں۔
میں اپنے دوست کی جیب پارے آیا تھا۔ لیکن بہن چلنے کو تیار ہی نہیں ہوئی۔"
ماں بیٹی۔ ان دوستوں کی باتیں سن رہی تھیں ___ اور شیلا دیوانوں
کی طرح اچھے کو ایک ٹک گھور سے جا رہی تھی۔
"ماں ___!" شیلا نے اُن کی آخری بات سُن کر کہا ___ "یہ لوگ
دلی جا رہے ہیں ان سے بات کر لو ___"
"ان سے ___؟" ماں نے سرگوشی میں کہا ___ "نہ معلوم کیسے
لوگ ہیں ___؟"
"شکل سے تو اچھے گھر کا آدمی دکھائی پڑتا ہے ___"
"تجھے تو کرم چند بھی شریف اور اچھے گھرانے کا دکھائی دیتا تھا"
"خیر دیکھ لو ___" شیلا گہرا سانس لے کر بولی ___ "ریل گاڑی کی
کوئی خبر نہیں۔ اس کی جیب میں جگہ خالی ہے۔ اور اگر تھانے دار
آ گیا تو مصیبت آ جائے گی ___" اس بار شیلا نے ماں کو خوف دلایا۔
"تو کروں بات ___!" ماں نے آہستہ سے پوچھا۔
"ہاں ہاں ___!" شیلا نے کہا ___ "اگر تم ڈرتی ہو، تو میں
کئے لیتی ہوں ___"
"بیٹھی رہ چُپ چاپ ___ جوان لڑکی کا جوان لڑکے سے بات کرنا
مناسب نہیں ___" ماں نے ڈانٹ کر کہا۔
دو تین منٹ ماں بیٹی خاموش بیٹھی رہیں ___ دونوں دوست

باتیں کر رہے تھے۔ اور قہقہے لگا رہے تھے ۔

"میرا خیال ہے میں بات کر ہی لوں ۔" آخر ماں بولی۔

"ضرور ۔ ضرور ۔"

ماں کھڑی ہو گئی سشیلا ایک ٹک اجے کو گھورے جا رہی تھی۔

"اب تو اس کی شادی ہو گئی ہے ۔ لیکن تم کیوں اس کے غم میں گھلے جا رہے ہو؟ اب تم بھی شادی کرالو ۔!" دوست نے فقرہ چُست کیا۔

"اب......" اجے کچھ کہنے لگا تھا ۔ کہ چُپ ہو گیا۔ اُس کی نگاہ سشیلا کی ماں پر جا پڑی تھی ۔ جو اُنہیں گھور رہی تھی۔

دو تین منٹ دونوں دوست ایک دوسرے کو دیکھتے رہے ۔ آخر اجے مخاطب ہوا ۔ "آپ کچھ کہنا چاہتی ہیں ۔؟"

"ہاں بیٹا! ہے تو بڑی عجیب سی بات ۔ لیکن دُکھ ۔ اور مصیبت کے دنوں میں غیروں کے آگے بھی ہاتھ پھیلانا پڑ جاتا ہے۔" ماں نے کہا۔

"کیا آپ رفیوجی ہیں ۔؟" اجے نے پوچھا۔

"ہاں بیٹا ۔!"

"او میں سمجھ گیا ۔" کہہ کر اجے نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔

"آپ کو شاید پیسے کی ضرورت ہے ۔" کہہ کر اس نے پرس نکال لیا۔

"نہیں نہیں بیٹا ۔! بھگوان یہ دن نہ دکھائے کہ ہم بھیک

مانگنا پڑے۔ غیرت مند اور باعزت لوگ افلاس میں بھی ایسی بات نہیں سوچ سکتے۔" ماں نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"پھر آپ کیا چاہتی ہیں ــــ؟" اچھے نے پوچھا۔

"ہم عجیب مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ میں بیوہ عورت ہوں۔ میرے دو بچے تھے ــــ ایک بیس برس کا، جوان لڑکا۔ جو لاہور میں قتل ہو گیا ہے۔ یہ لڑکی میرے ساتھ ہے۔ مجبوری کی حالت میں ہمیں یہاں آنا پڑا ــــ جس کے ساتھ آئے تھے اُس نے ہمیں پناہ دی۔ لیکن جو کچھ ہمارے پاس تھا۔ اُسے ہڑپ کرنے کی کوشش کی ــــ ہماری جان کے دشمن ہو گئے۔ ہم آج دن میں جان بچا کر بھاگ آئے ہیں۔ اُس کا ایک بھائی ہے وہ پولیس میں تھانیدار ہے۔ ہم ڈر رہے ہیں کہ وہ ہمارے پیچھے غنڈے نہ لگا دے۔ ہم اس شہر سے نکل جانا چاہتے ہیں ــــ" کہتے کہتے ماں کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے ــــ"

"آپ نے کیسے جان لیا کہ میں شریف آدمی ہوں اور غنڈہ نہیں ہوں ــــ" اچھے نے ہنس کر کہا۔

"جب تم اپنی زبان سے کہہ رہے ہو تو کبھی نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ جس شخص نے ہمیں پناہ دی تھی اُس نے یہ نہیں کہا تھا۔"

"لیکن میری پیشانی پر کہاں تحریر ہے کہ میں شریف آدمی ہوں۔" اچھے مسکرا رہا تھا۔

شیلا اُسے ایک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔ اُس نے دل ہی دل میں

کہا۔ میں کہتی ہوں ۔ کہ تم شریف آدمی ہو۔

"ماتا جی آپ بتائیے کہ آپ کیا چاہتی ہیں... میں جانتا ہوں یہ کتنا بڑا غنڈہ ہے ۔" دوست بولا۔

"بیٹا میں تم دونوں کی باتیں سن رہی تھی ۔ اس کے پاس جیپ ہے اس میں جگہ ہے۔ میں چاہتی ہوں ۔ ہمیں وہاں لے جائیے۔"

"میں لے چلوں ۔" اچے بولا ۔ "میں ٹیکسی ڈرائیور نہیں ہوں۔"

ناں کا دل بیٹھ گیا ۔ اس نے حوصلہ کر کے کہا ۔ "بیٹا میں نے کرائے کی بات بھی نہیں کی ۔ شاید میں ادا بھی نہ کر سکوں ۔ تم وہاں جا رہے ہو اور تمہاری جیپ میں جگہ ہے ۔ اور وہ جانیں بچ سکتی ہیں۔۔۔!"

"جانیں بچ جائیں گی ۔ غنڈے پیچھے لگ گئے ہیں ۔ آپ اتنا گھبرائی ہوئی ہیں ۔ کون ہے وہ غنڈہ ۔ ذرا مجھے بھی پتہ چلے ۔" اچے بولا

"اتر آیا اپنی خصلت پر ۔" دوست ہنس کر بولا ۔ "پہلے اس غنڈہ سے نبٹنے چل دے ۔ رہا ساری عمر سندباد جہازی ۔ وہ غنڈہ کون ہے ۔ کیا ہے ۔ تجھے کیا لینا ہے ۔ جو کام کرنے کا ہے اور تو کر سکتا ہے ۔ وہ کر ۔ انہیں اپنے ساتھ لے جا ۔ جیپ میں جگہ ہے ۔" دوست نے وکالت کی ۔

"سالے تو بغیر فیس کے وکالت کرنے لگا ہے ۔ یہ عدالت نہیں ہے وکیل صاحب ۔ !" اچے نے فقرہ چست کیا۔

شیلا نا دکھا کر کھڑی ہو گئی ۔۔۔ "میرا خیال ہے کہ آپ رفیوجی نہیں ہیں۔
اور نہ ہی آپ کا کوئی رشتہ دار ہے۔ اسی لئے آپ بے رُخی اور بے دردی
سے انکار کر رہے ہیں۔ آپ کیا جان سکتے ہیں اگر کسی کا جوان بھائی یا بیٹا مر جائے
اُن پر کیا گذرتی ہے۔ اگر آپ کے خاندان کا کوئی مر گیا ہوتا اس طوفان
میں تو پتہ چلتا۔۔۔ " کہہ کر شیلا رونے لگی۔
"جے ہند۔۔۔" اجے مسکرایا۔۔۔ "آپ میرے خاندان کو مارنے
پر کیوں تُل گئی ہیں۔۔۔؟ اگر آپ دہلی جانا چاہتی ہیں، تو چلیے۔"
"اب بات بنی۔۔۔" دوست مسکرا کر بولا۔۔۔ "بہن! یہ آدمی سیدھی
بات کو اُلٹے طریقے سے کرتا ہے اور اُلٹی بات کو سیدھے طریقے سے۔
قلی بلوا کر سامان اُٹھوا کر جیپ میں رکھوائیے۔۔۔"
"تو وکیل کیا بنا ہے۔ خواہ مخواہ وکالت کرتا پھرتا ہے"۔ اجے بولا
"ماتا جی! آپ وقت ضائع نہ کیجیے۔ قلی بلائیے۔ سردی بڑھ رہی
ہے۔ اگر آپ لوگ اِس وقت بھی روانہ ہوئے تو شب کے تین بجے
سے پہلے دہلی نہ پہونچ سکیں گے۔۔۔ اجے کہاں کھڑی ہے جیپ؟"
"باہر۔۔۔ اقبال بیٹھا ہے اُس میں۔۔۔!"
"چلیے ماتا جی! میں رکھواتا ہوں آپ کا سامان۔۔۔" وکیل دوست
نے کہا۔
سامان قلیوں کے سر اُٹھوا کر وہ باہر پہنچے۔ جیپ میں ستائیس اٹھائیس
برس کا نوجوان جو کلیٹ سوٹ پہنے اور خوبصورت انداز میں پگڑی باندھے

بیٹھا تھا۔

"کیا حال ہے اقبال سنگھ ۔۔۔؟" وکیل دوست نے کہا۔

"ارے تم ۔۔۔؟" کہہ کر اقبال نیچے اتر آیا۔ اور اس سے لپٹ گیا

علیک سلیک کے بعد اقبال اجے سے مخاطب ہوا۔

"مل گیا کیوں ۔۔۔؟"

"کیوں تو نہیں ملا ہاں یہ مل گئے ہیں ۔"

"یہ کون ہیں ۔۔۔؟ کیا ہی ......"

"نہیں ۔۔۔!" اجے نے کہا۔ "راستے میں پوچھیں گے کون ہیں"

"کیا مطلب ۔۔۔؟"

"مطلب یہ کہ دہلی جانا چاہتے ہیں ۔۔" اجے نے کہا۔

اقبال نے شیلا کا سرتاپا جائزہ لیا۔ لڑکی خوبصورت تھی ۔۔۔

میں سمجھ گیا ۔۔"

"کیا سمجھ گیا ہے ۔۔" اجے بولا۔

"یہ دہلی جائیں گے ۔۔" کہہ کر اقبال پُر معنی طور پر مسکرایا۔

یہ مسکراہٹ ماں نے نہ دیکھی ۔ لیکن شیلا نے دیکھ لی تھی۔

"یہ سامان رکھوا اقبال ۔۔ یہ رائفل اٹھا کر آگے رکھ ۔۔"

اجے نے جیپ کے پچھلے حصے سے رائفل اٹھائی۔

اجے اور اقبال کا کوئی خاص سامان نہ تھا۔ ایک چھوٹا سا اٹیچی

کیس ۔۔ دو اوورکوٹ ۔ دو کمبل ایک کنستر۔

ٹرنک ذرا بڑے تھے۔ بڑی مشکل سے معقول طریقے سے اُنہیں رکھا گیا تاکہ ماں بیٹی کے بیٹھنے کی جگہ بھی بن سکے۔

" اجیے میں چلتا ہوں اور تم بھی چلو۔ سردی بہت ہو جائے گی۔ اس لئے جلد دلی پہنچو۔" وکیل دوست نے اجازت مانگی۔

" اس وقت ساڑھے چھ بجے ہیں۔ ہم ساڑھے گیارہ بجے تک دہلی پہنچ جائیں گے۔" اجیے بولا۔ " صرف دو سو میل تو ہے۔"

وہ اقبال اور اجیے سے ہاتھ ملا کر چلنے لگا تو ماں بولی۔

" بہت بہت شکریہ۔"

" شکریہ اس کا ادا کرنا۔" دوست ہنس کر بولا۔

" لیکن بیٹا تم نے.....؟"

" آپ بیٹھیے۔ چلیئے تاکہ یہ لوگ جا سکیں۔" دوست نے کہا۔

ماں بیٹی اندر بیٹھ گئیں۔

" گاڑی تو چلائے گا — ؟" اجیے بولا۔

" انبالے تک تو چلا — پھر میں چلاؤں گا۔"

" چل بیٹھ۔" کہہ کر اجیے بائیں ہاتھ سٹیرنگ پر جا بیٹھا۔ اقبال بھی بیٹھ گیا تھا۔ ایک آدمی اور بیٹھ سکتا تھا آگے۔ لیکن وہ عورتیں تھیں انہیں اُنہوں نے دعوت نہ دی۔

اجیے نے جیپ سٹارٹ کی۔ " پٹرول کتنا ہے؟"

" آٹھ ٹینکی میں ہے اور چار جیری کین ہیں۔"

"کافی ہیں — ویسے کوپن کتنے بچے ہیں؟" اجے نے پوچھا۔

"پندرہ گیلن کے —"

"یہ تو سفید ہاتھی ہے۔ نہ معلوم اس کا نام جیپ کیوں رکھا ہے بنانے والے نے — اس سے تو بہتر تھا کہ کسی کی کار لے آتے۔ پچیس میل تو کرتی گیلن ہیں —" اجے نے کہا۔

شیلا اُن کی باتوں سے محظوظ ہو رہی تھی۔

"ٹھیکیدار ہماری جان کو رو دے گا۔ پچاس گیلن کھا گئے ہیں اسکا" اقبال نے ہنس کر کہا۔

"رونے دو — تھوڑا فائدہ پہنچایا ہے اُسے —؟"

جرنیلی سڑک پر جیپ چالیس میل کی رفتار سے دوڑنے لگی۔ چند منٹوں میں وہ شہر کی حدود سے نکل گئے — ماں نے اطمینان کا سانس لیا تو اجے مڑ کر دیکھنے پر مجبور ہو گیا۔

"ماں سردی ہو گئی ہے —"

"ہاں —"

جیپ میں ہوا کے فراٹے آ رہے تھے —

"آپ کے پاس کمبل نہیں ہیں —؟" اجے بولا۔

"نہیں بیٹا — یہ شال ہیں —" ماں نے جواب دیا۔ "جب لاہور سے نکلے تو بستر بھی نہ تھا —"

"اقبال انہیں اپنے کمبل دے دے —"

ایک کمبل ماں نے لے لیا دوسرا بیٹی نے۔

"گاڑی روکوں ۔۔۔؟" اجے اقبال سے مخاطب ہوا۔

"کیوں ۔۔۔؟"

"ہم بھی اوور کوٹ پہن لیں ۔۔۔"

"اتنی سردی کہاں ہے ۔۔۔؟" اقبال نے کہا۔

شیلا یہ سن کر بل کھا گئی۔ جیسے یہ بات اقبال نے اسے سنائی تھی۔

سنسان سڑک پر جیپ دوڑ رہی تھی دونوں دوست باتیں کرنے لگے ۔۔۔

"اجے! اب تو ..... پہاڑ پر ہی رہے گا ۔۔۔؟"

"اور کیا کروں ۔۔۔؟ اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے؟ ڈیڈی سے بنتی نہیں ۔۔۔ ایمان سے ایسا ڈیڈی بھی کسی خوش نصیب کو ملتا ہے ۔۔۔ خالص چنگیزی طبیعت پائی ہے ۔۔۔" کہہ کر اجے ہنس پڑا ۔۔۔ "یاد ہے وہ دن جب کالج میں بیٹھ کر کمیشن کی درخواست دی تھی۔ جس روز ٹریننگ پر جانے لگا تو طوفان کھڑا کر دیا ڈیڈی نے ۔۔۔ کس سے پوچھ کر فوج میں جا رہے ہو ۔۔۔ کیوں جا رہے ہو ۔۔۔ اور درجنوں سوالات ۔۔۔ ڈیڑھ برس ہوا جب ریلیز لے لیا۔ پھر طوفان کھڑا کر ڈالا ۔۔۔ کیوں نوکری چھوڑی ہے ۔۔۔ واہ رے میرے ڈیڈی ۔۔۔"

"دیکھو تمہیں پیار بہت کرتے ہیں ۔۔۔"

"وہ درست ہے ۔۔۔ لیکن اقبال تو ہی بتا۔ اب میں چھٹی جماعت

کا طالب علم نہیں ہوں جو ایک ایک منٹ کی خبر دیا کروں۔ چھ ماہ سے کہہ رہے ہیں کہ میں اُن کے کاروبار میں حصہ لینا شروع کروں ۔۔۔ ڈیڈی سے مل کر کام کرنا آسان نہیں۔ کم از کم میرے بس کا نہیں۔ فوج میں رہا ہوں۔۔ اور کورٹ مارشل ڈیڈی کرتے ہیں ۔۔۔"

"پہاڑ پر جو دوکان سنبھالی ہے اُسے کس کے سپرد کر آئے ہو ۔۔۔؟"

"ایک دوست کے ۔۔۔!"

"ٹھیک آدمی ہے نا ۔۔۔؟"

"وہ تو ٹھیک ہے، تو ذرا سٹیرنگ سنبھال۔ میں سگریٹ سلگا لوں کچھ بات نہیں بن رہی ہے ۔۔" اجے نے کہا۔

اقبال نے سٹیرنگ پر ہاتھ رکھ دیا ۔۔ اجے نے جیب سے سگرٹ نکال کر سلگایا اور گہرا کش لے کر بولا ۔۔۔۔۔۔۔۔ "سٹیرنگ دید ے۔"

اجے سٹیرنگ سنبھال کر بولا ۔۔ "اب دیکھنا دہلی میں کتنی خاطر ہوتی ہے میری ۔۔"

"وہ تو ہوگی ہی! اُن کا پستول لے آیا ہے، ڈیڈی کو بتا بھی آیا تھا ۔۔"

اقبال نے ہنس کر پوچھا۔

"ممی سے کہہ آیا تھا ۔۔ ورنہ وہ کب لانے دیتے ۔۔"

"لانے تو تب دیتے اگر آنے دیتے ۔۔" اقبال نے ہنس کر کہا۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے ۔۔" اجے بھی ہنس دیا۔ "اقبال!"

"ہاں ۔۔۔!"

"وہ سامنے سڑک پر دیکھ تیرے ماموں کھڑے ہیں ـــ" اجیت بولا۔
اقبال ہی نہیں، ماں بیٹی کی نگاہ سامنے پڑ گئی ـــ اُنہوں نے جیپ کی روشنی میں دیکھا۔ پندرہ بیس لمبے تڑنگے جوان موتھہ لپیٹے ہاتھوں میں ننگی تلواریں، چمکتے ہوئے نیزے، پستولیں اور بندوقیں لئے کھڑے تھے ـــ ماں بیٹی کی جان نکل گئی۔

"بیٹا اب کیا ہوگا ـــ؟" ماں نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"گھبرائیے نہیں! یہ اقبال کے رشتہ دار ہیں ـــ" اجیت نے ہنس کر کہا۔

وہ لوگ ہاتھ کے اشارے سے جیپ کو رُکنے کی ہدایت دے رہے تھے ـــ اجیت نے عین اُن کے سر پر پہنچ کر بریک لگائی۔ بریک کی بلند آواز کے ساتھ ہی اقبال گرجا۔ "ست سری اکال ـــ"

"ست سری اکال ـــ" جواب میں نعرہ بلند ہوا۔

ایک بولا ـــ "اپنے بھائی ہیں ـــ" "ٹھیک ہے جی ـــ جاؤ ـ جاؤ" نعرہ بلند ہوا اور جیپ آگے بڑھ گئی ـــ

دونوں دوست بے تکی باتیں کرتے رہے۔ حتیٰ کہ انبالہ چھاؤنی آگیا۔

"کہاں چلوں ـــ؟" اجیت نے پوچھا۔

"جہاں چاہو ـــ روٹی کھانی ہے ـــ یہ لوگ بھی بھوکے ہونگے" اقبال نے کہا۔

"ارے مجھے خیال ہی نہیں رہا" اُس نے مُڑ کر ماں سے کہا ۔" یہ کنستر ہے نا، بہن نے دیا ہے ۔ اس میں میرا ایک ماہ کا راشن ہے ۔ آپ بھی کھا لیجئے ۔"

"بیٹا ہمیں بھوک نہیں ہے ۔" ماں نے کہا ۔

"پنیاں لائے ہو ۔ ؟" اقبال نے پوچھا ۔

"اور کیا دیا ہے بہن نے ۔ وہ جانتی ہے کہ مجھے پنیاں بہت پسند ہیں ۔"

"پہلے کیوں نہیں بتایا ۔" اقبال نے گلہ آمیز لہجہ میں کہا ۔

"اب کھا لیجئے ۔ اب کون سی باسی ہو گئی ہیں ۔" اچھے نے ہنس کر کہا ۔ "میں ابھی ریسٹوران میں جا رہا ہوں ۔"

"وہیں چل ۔"

دس منٹ بعد مختلف بازاروں سے گذر کر اچھے نے ایک ریسٹوران کے آگے جیپ روک دی ۔

"آئیے آپ بھی کھانا کھا لیجئے ۔" اچھے نے دعوت دی ۔

"نہیں بیٹا مجھے بھوک نہیں ہے ۔" ماں نے کہا ۔

"اب اس تھانے دار کا غصہ مجھ پر کیوں اُتار رہی ہیں آپ ؟ اندر چل کر کھانا کھا لیجئے ۔" اچھے نے اصرار کیا ۔

"ماں کھا لو نا ۔ صبح بھی نہیں کھایا ۔ کل رات کھایا تھا ۔" شیلا نے بھانڈا پھوڑ دیا ۔

ماں کو نیچے اُترنا پڑا۔

"بیٹا یہ سامان ---!" ماں نے خدشہ دیکھا۔

"کوئی نہیں اُٹھاتا ---" اجئے نے کہا۔" وہ سامنے چوکیدار ہے میں اس سے کہدیتا ہوں ---" کہہ کر اجئے نے رائفل اُٹھائی۔

دو قدم چل کر اجئے نے رائفل اقبال کی طرف بڑھا دی --- "یہ لٹھ تو اٹھا لے ---"

"اپنی چیز خود اُٹھانا چاہتا ہے۔ وہ دے دے نا مجھے ---"

اقبال نے پستول کی طرف اشارہ کیا۔

"اور اس کے بوجھ سے کلائی بل کھا جائے گی ---"

اقبال نے رائفل لے لی ---

ریستوران میں بار بھی تھا --- ہال بھرا ہوا تھا --- ماں نے یہ نظارہ دیکھا --- وہ سہم گئی --- لیکن ماں بیٹی دونوں دوستوں کے عقب میں چل کر ایک کیبن میں داخل ہو گئیں ---

"آپ بیٹھئے ---" اجئے نے پردہ اُٹھا کر کہا۔

ماں بیٹی بیٹھ گئیں ---

"کیا بھجواؤں آپ کیلئے ---؟" اجئے نے پوچھا ---

"جو مل جائے ---" ماں نے کہا۔

"میرا مطلب تھا کہ آپ گوشت کھا لیتی ہیں ---" اجئے نے پوچھا۔

"دال سبزی ٹھیک رہے گی ---" ماں نے انکساری سے کہا۔

"وہ تو مل ہی جائے گی ۔۔ ویسے پرہیز تو نہیں ہے ۔۔؟"

"کیا آپ دونوں یہاں بیٹھ کر کھانا نہیں کھا رہے ہیں ۔۔؟"
شیلا نے سوال کیا۔

"ہم ۔۔۔!" اجے ہچکچایا اور اقبال کو دیکھا ۔۔ "ہم باہر ہی کھا لیں گے ۔۔۔" کہہ کر اجے پردہ کھینچ کر باہر چلا گیا لیکن دوسرے منٹ لوٹ آیا ۔۔ پردہ اُٹھا کر بولا ۔۔ "آپ گھبرائیے گا نہیں۔ ہم آپ کا سامان لے کر بھاگیں گے نہیں۔ بات یہ ہے کہ میں نے وہاں بھی کہا تھا کہ ......" اجے نے سر کھجایا ۔۔ "میں نے کہا تھا کہ میرے ماتھے پر کہاں لکھا تھا کہ میں شریف آدمی ہوں ۔۔ بات یہ ہے کہ رات کا سفر اور منجمد کر دینے والی یخ ہوائیں اور میرا دوست ہے اقبال سنگھ ۔۔۔ وہ ......"

"ہاں ہاں جاؤ ۔۔ فکر کی کوئی بات نہیں ۔۔۔" ماں نے کہا۔

"آپ بُرا نہ مانیئے گا ۔۔ ہم خاندانی لڑکے ہیں۔ یقین کیجیے۔ ایسی کوئی بیہودگی نہ ہوگی۔ سردی اور سفر تھکا دیتے ہیں ۔۔ " اجے نے نیچی نگاہوں سے کہا ۔۔

"میں سمجھ گئی ہوں ۔۔ تم جاؤ ۔۔۔" ماں نے کہا۔
اجے چلا گیا تو شیلا بولی ۔۔ "ماں یہ کیا کہہ رہا تھا ۔۔۔؟"
"جوان لڑکے ہیں ۔۔ امیر گھروں کے ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں ۔۔"
"تو یہاں کھا لیتے ۔۔۔"

"پھر وہی جرح کی عادت۔ بیوقوف لڑکی۔ شراب پینے گئے ہوں گے ۔۔۔ آخر فوج میں افسر رہا ہے ۔۔۔"

"شراب ۔۔۔ !!" شیلا چلائی۔

"آہستہ بول ۔۔۔" ماں نے ڈانٹا۔ اُس نے یہ نہ بتایا کہ باہر ہال میں تقریباً سب ہی آدمی شراب پی رہے تھے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ورنہ شیلا شور مچانے لگتی۔

"اسی لئے تو کہہ رہا تھا کہ سفر اور سردی تھکا دیتے ہیں ۔۔۔"

"اب چُپ بھی کر تو تو بال کی کھال اُتار دیتی ہے ۔۔۔"

ایک گھنٹہ بعد اجیے آیا۔ اس نے نگاہیں نیچی کر رکھی تھیں ۔۔۔ "آپ لوگوں نے کھانا کھا لیا ہے ۔۔۔؟"

"ہاں بیٹا ۔۔۔ !" ماں نے کہا۔

"معاف کیجئے، ہمیں ذرا دیر ہوگئی۔ آیئے چلیں ۔۔۔"

ماں بیٹی اجیے کے عقب میں چل کر باہر پہنچیں۔ باہر بلا کی سردی تھی اقبال جیپ میں بیٹھا تھا ۔۔۔ ماں اور بیٹی اپنی جگہ پر جا بیٹھیں اور کمبل اوڑھ لئے ۔۔۔ اقبال نے اپنا اُورکوٹ اوڑھ لیا تھا۔ اجیے نے اپنا اُورکوٹ پہنا۔

"اقبال ! اِدھر کیوں بیٹھا ہے ۔۔۔ سٹیرنگ پر بیٹھ ۔۔۔" اجیے نے کہا۔

"یار تو چلا تھوڑی دیر میں۔ ردٹی زیادہ کھا گیا ہوں۔ تھوڑا سستا لوں"

"میں پہلے ہی جانتا تھا۔ تو...... ...." اجے گالی دیتے دیتے رُک گیا ۔۔ وہاں لدھیانہ میں کہا تو جواب دیا انبالہ چلاؤں گا ۔۔ اور اب روٹی زیادہ کھا گیا ہے ۔۔ دیکھ ابھی صرف ساڑھے نو بجے ہیں ۔۔ مجھے گیارہ۔ ساڑھے گیارہ بجے تک نیند نہیں آئے گی ۔۔ اگر سو گیا تو میں گاڑی نہیں چلاؤں گا ۔۔ تجھے ابھی سے نیند آرہی ہے۔ ہم ساڑھے بارہ بجے تک دہلی پہونچ جائیں گے ۔۔"

"نہیں سوتا میرے بھائی نہیں سوتا ۔۔ یونہی ذرا سستا رہا ہوں" اقبال نے پیارے لہجہ میں کہا۔

"میں سب جانتا ہوں ۔۔" اجے نے سگرٹ سلگا کر سٹیرنگ پر بیٹھ کر کہا ۔۔ "رائفل اُٹھائی تھی ۔۔؟"

"ہاں یہ پڑی ہے ۔۔ اور دیکھ گاڑی چالیس سے اوپر نہ چلانا ہو رات کے وقت جرنیلی سڑک پر ٹرک بہت تیز رفتار سے چلتے ہیں۔ کہیں تو بریک لگانے کیلئے جیپ کو کسی درخت پر چڑھا دے ۔۔ ساڑھے بارہ نہیں تو ڈیڑھ بجے دہلی پہونچ جائیں گے ۔۔ کوئی جلدی نہیں ۔۔" اقبال نے کہا۔

"ایسی بات ہے تو خود ہی چلا ۔۔"

"نہیں نہیں میرا بھائی ۔۔ بڑا اچھا بھائی ۔۔" اقبال نے خوشامد کی ۔۔ وہ نشے میں دُھت ہو چکا تھا ۔۔ "کرنال تک چلا۔ پھر میں سنبھال لوں گا ۔۔"

"نریلا کہا ہوتا۔ کرنال کیوں ۔۔۔؟ کرنال سے تو دلی پچھتر میل ہے ۔۔۔" اچھا گڈ نائٹ ۔۔۔"

"گڈ نائٹ کیوں کہہ رہا ہے ۔۔۔ میں کوئی سونے لگا ہوں ۔۔۔"

اقبال نے کہا اور پانچ منٹ بعد وہ خراٹے لے رہا تھا۔

ماں بیٹی اونگھ رہی تھیں۔ ماں کے دل پر خوف چھایا ہوا تھا۔ جوان اجنبی لڑکے۔ جنہوں نے شراب پی رکھی تھی ۔۔۔ میلوں تک کوئی ٹرک بھی نظر نہ آتا تھا۔ جوان لڑکی ساتھ ۔۔۔ بیٹی اپنے ہی خیالات میں کھوئی ہوئی تھی۔ اُس کی نیند بھی کافور ہو چکی تھی ۔۔۔ اتنا طویل سفر اُس نے جیپ یا کار میں کبھی نہ کیا تھا۔

جیپ دوڑتی رہی اجیت پر جب غنودگی طاری ہوتی تو وہ سگرٹ سلگا لیتا۔ ایک شہر کی حدود میں داخل ہوئے تو اجیت نے جیپ روک دی۔ اُس نے سگرٹ نکال کر سلگایا۔ ماں بیٹی ابھی تک بیدار تھیں۔

"اقبال ۔۔۔! ابے اُٹھ ۔۔۔!!" اجیت نے اُسے جھنجھوڑا۔

"کون ہے بھائی ۔۔۔؟" اقبال نے نیند میں کہا۔

"اُٹھتا ہے یا ڈھول بجاؤں ۔۔۔؟" اجیت نے کہا۔

"سونے دے بھائی۔" اقبال نے نیند میں کہا۔

"سالے تو یوں نہیں مانے گا ۔۔۔" کہہ کر اجیت نیچے اُتر گیا۔ ماں بیٹی اُسے دیکھ رہی تھیں کہ وہ کیا کر رہا ہے ۔۔۔ اجیت جیپ میں پڑا گلاس اُٹھا ۔۔۔ سامنے لگے سرکاری نل پر چلا گیا ۔۔۔ وہ برف کی مانند یخ پانی بھر لایا اور آتے ہی

اُس نے اقبال کے چہرے پر چھینٹے دیے۔

"کیا ہے ۔۔۔؟" پہلے چھینٹے پر اقبال ہڑبڑا کر اُٹھا۔

"کچھ نہیں۔ سوجا پیارے ۔۔۔ سوجا۔" اجے نے کہا۔

شیلا کو ہنسی دبانا مشکل ہوگئی ۔۔۔ ماں بھی یہ نظارہ دیکھ رہی تھی۔

اجے نے اور چھینٹے دیے تو اقبال نے آنکھیں کھول دیں۔

"یہ بارش کہاں سے آ رہی ہے ۔۔۔؟" اقبال بولا۔

"ابھی بتاتا ہوں ۔" کہہ کر اُس نے مزید چھینٹے دیے۔

"کیا کر رہا ہے ۔۔۔ اب بتلا دے نا۔" اقبال نے اپنا چہرہ ہاتھوں سے چھپایا۔

"کھُل گئی آنکھ ۔۔۔؟"

"ہاں۔ کیا ہم کرنال پہنچ گئے ہیں ۔۔۔؟"

"کرنال کے بچے! ہم دہلی پہنچ گئے ہیں ۔۔۔"

"دہلی پہنچ گئے ہیں تو سوجاؤ ۔۔۔" کہہ کر اقبال نے چہرہ صاف کیا۔ اور سونے لگا۔

اس بار اجے نے اُسے ٹانگ سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔ "سالے سو رہا ہے ۔۔۔ اُٹھتا ہے کہ نہیں ۔۔۔؟"

"اچھا بھائی نہیں سوتا ۔۔۔" کہہ کر اقبال نے آنکھیں ملیں اور گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ "اجے ۔۔۔!" وہ حیرت زدہ لہجہ میں بولا۔

"ہاں ۔۔۔"

"یار ہم واقعی دہلی پہنچ گئے ہیں۔ حد کر دی تم نے ۔ پندرہ منٹ میں انبالہ سے دہلی پہنچ گئے ۔"

"پندرہ منٹ ۔۔۔! ایک بج رہا ہے ۔"

"ایک ۔۔۔!" اقبال نے نیند کو جھٹک دیا۔

"آپ لوگ کہاں جائیں گے ۔۔۔؟" اچھے اقبال سے فارغ ہو کر ماں سے مخاطب ہوا۔

"بیٹا ہم آدھی رات کو کہاں جائیں ۔۔۔؟" ماں نے کہا۔

"کہاں جائیں ۔۔۔ جہاں آپ کو جانا ہے ۔۔۔ آپ نے کہا تھا کہ ہمیں وہاں پہنچا دو۔ دہلی آ گئی ہے ۔۔۔ بتایئے کہاں اُتاروں آپ کو ۔۔۔؟"

"بیٹا ہمارا اس شہر میں کون ہے ۔"

"کون ۔۔۔ آپ کیا کہنی چاہتی ہیں ۔" اچھے نے گھبرا کر پوچھا۔

"رات کے اس پہر اس جوان لڑکی کو لے کر کس دروازے پر دستک دوں ۔۔۔؟ تم ہی سوچو ۔" ماں نے سوچا۔

"میں سوچوں ۔۔۔؟" اچھے نے کہا۔ "اقبال سن رہا ہے ۔۔۔؟"

"ہاں سن رہا ہوں ۔۔۔" اقبال نے نیند میں کہا۔

"اگر سن رہا ہے تو انہیں تیرے گھر لے چلتا ہوں ۔۔۔"

"میرے گھر ۔۔۔!!" اقبال کی نیند کافور ہو گئی ۔ "اچھے یہ غضب نہ کرنا ۔۔۔ ڈیڈی میرا جلوس نکال دیں گے ۔۔۔"

"پھر کیا کریں ۔۔۔؟"

"یہ سوچنے کی بات ہے کہ کیا کریں۔" اقبال نے کہا۔ "دیکھ یوں کر!"

"بتا۔"

"پہلے تیری کوٹھی چلتے ہیں وہاں چل کر سوچیں گے۔"

"وہاں جا کر جو سوچنا ہے تو یہیں سوچ لے ___ جانتا نہیں۔ اس کوٹھی میں صرف ڈیڈی سوچا کرتے ہیں ___ مجھے سوچنے کی اجازت نہیں۔"

شیلا کو ہنسی دبانا مشکل ہو رہی تھی ___ وہ ان بے تکلف دوستوں کی باتوں سے محظوظ ہو رہی تھی ___

اقبال خاموش رہا۔

"بولتا کیوں نہیں؛ شاید ابھی تیری اُتری نہیں ___" اجے نے ٹائی پکڑ کر اُسے جھنجھوڑا ___ "سالے سوچ سمجھ کر پیا کر۔"

"اجے ٹائی خراب ہو جائے گی ___ ساڑھے سات روپے کی ہے۔"

"ساڑھے سات کے بچے ___ ! اتنی پی کیوں تھی؟"

"کہاں پی تھی ___ ؟"

"اب یہ بھی یاد نہیں! اتنا ہے میں پی تھی ___ صرف چوبیس روپے کی۔"

"میں نے اکیلے تھوڑا ہی پی تھی، پون بوتل تو تو پی گیا تھا۔"

"میں پی گیا تھا ___ سالے تو ایک بوتل پی گیا تھا۔ میں نے صرف کوارٹر پیا تھا ___" اجے نے چیک کر کہا۔

"بیٹا! ایسی باتیں سڑک پر نہیں کرتے ___" ماں بولی۔

"پھر کہاں جا کر کروں! آپ سے کہا تھا دہلی سے چلو ___ دہلی

پہنچ گئے ہیں۔ بولئے آپ کو کہاں اُتاروں؟ ہوٹل یا دھرمشالہ۔"

" اس وقت کون سی دھرمشالہ اور ہوٹل کھلا ہوگا۔" اقبال بولا۔

" بیٹا تم سوچو اس اجنبی شہر میں ہم کہاں جائیں گے۔" ماں نے کہا۔

" اچھا کھیل ملا ہے آج۔" اجے بڑبڑایا۔ " اب میں نے آپ کا ٹھیکہ تو نہیں لے رکھا ہے۔ اب آپ یہ کہدیں کہ میری لڑکی سے شادی کر لو تو میں ......"

" بیٹا ایسی بات ایسی جگہ کوئی شریف آدمی نہیں کہتا۔" ماں نے کہا۔

" آپ۔ آپ۔ میرا مطلب ہے۔" اجے کو الفاظ نہ سوجھ رہے تھے۔ غصے اور نشے میں وہ کیا کہہ گیا تھا اُسے اپنی غلطی کا فوراً احساس ہو گیا۔ " لیکن آپ خود ہی سوچئے......"

" ارے کیا سوچیں گے۔ اُن کے پاس بستر تو ہے نہیں۔"

اقبال بولا۔ " دیکھ میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی ہے۔"

" کیا۔؟"

" تیری کوٹھی چلتے ہیں۔ وہاں انہیں کسی نوکر کے کمرے میں ٹھہرا دینگے۔ یہ رات گذار لیں گے اور تیری جان چھوٹ جائے گی۔"

" اور اگر ڈیڈی ...."

" پاگل ہوا ہے۔ نوکر کہہ دے گا اُس کے رشتہ دار ہیں۔ میرا مطلب ہے اُس کے مہمان ہیں۔ صرف ایک رات کی بات ہے۔" اقبال نے کہا۔

"بھگوان! تو ہی بچانے والا ہے ——" کہہ کر اچھے نے کانوں کو ہاتھ لگایا اور سٹیرنگ پر جا بیٹھا۔

شیلا اُس کی اداکاری پر ہنس دینا چاہتی تھی۔ لیکن اُس نے کمبل کا کونہ مونہہ میں لے لیا۔

پندرہ منٹ بعد اچھے نے اپنی کوٹھی کے پاس جیپ روک دی۔

"اقبال! سو گیا ہے ——؟"

"نہیں نہیں ——" اقبال نے جواب دیا۔

"اب بتا ——"

"جا کر نوکر کو بلا لا ——"

"میں —— ؟" اچھے ہچکچا کر بولا —— "مروائے گا مجھے ——؟"

"پھر کون جائے ——"

"تو جائے گا —— تو نے تجویز پیش کی تھی ——"

"میں جاؤں —— ؟" اقبال نے سر کھجایا۔

اتنے میں سڑک پر کار کی روشنی ہو گئی۔

"مر گیا —— ضروری بات ہے ڈیڈی ہوں گے ——" اچھے نے کہا۔ اور جیپ سے نیچے چھپ گیا۔

شیلا کو ہنسی دبانا مشکل ہو گئی۔ وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

اچھے جیپ کے نیچے سے بولا —— "اقبال دیکھو شور لیٹ ہے ——"

دوسرے لمحہ کار اُن کے پاس سے گزر گئی —— "اچھے تمہاری کار نہیں۔"

"شکر ہے ۔" کہکر لبے کھڑا ہو گیا۔ "تم کیوں ہنسی تھیں؟" وہ غصے میں شیلا سے مخاطب ہوا۔

"جی غلطی ہو گئی ـــ" شیلا سہم کر بولی۔

"اچھے جاؤں میں پھر ـــ؟" اقبال نے خوفزدہ لہجہ میں پوچھا۔

"نہیں، ساری رات یہیں گذاریں گے ـــ"

"وہ کمبخت تو نہیں کاٹے گا؟"

"نہیں کاٹتا اور اگر کاٹ لیا تو مر نہ جائے گا۔" لبے نے اُور کوٹ کی گرد جھاڑتے ہوئے کہا۔

"خدا بچائے ـــ" کہہ کر اقبال چلدیا۔

"آپ اپنے ڈیڈی سے بڑا ڈرتے ہیں ـــ" شیلا نے کہا۔

"آپ نے میرے ڈیڈی کو دیکھا نہیں۔ بڑے بڑے اکڑ باز خاں اُنکے سامنے چوہے کی طرح دُبک جاتے ہیں ـــ ذرا ذرا سی بات پہ کورٹ مارشل کر دیتے ہیں ـــ" اچھے نے بچے کی طرح کہا۔ "شب کا ڈیڑھ بجا ہے۔ تو کر تھک کر سو رہے ہوں گے ـــ"

دس منٹ بعد اقبال لوٹا۔ اُس کے ساتھ ہریا چوکیدار تھا۔

"چھوٹے بابو آپ ـــ!" ہریا نے حیرت سے پوچھا۔

"دیکھو ہریا ـــ! ان کا سامان لے جاکر اپنے کمرے میں رکھ دو ـــ یہ رات وہیں گذاریں گے اور میرا کمرہ کھلا ہے یا بند ـــ؟"

"میں کہہ نہیں سکتا۔"

"ڈیڈی گھر پر ہیں ۔۔۔؟"

"ہاں چھوٹے بابو ۔۔۔!"

"کب آئے تھے ۔۔۔"

"نو بجے ۔۔۔"

"پھر تو سو رہے ہوں گے ۔۔۔ گو رکھا ۔" وہ چوکیدار سے مخاطب تھا ۔۔۔ " ان کا سامان لے جاؤ اور ہر یا تم ساتھ کے کوارٹر میں سو جانا اور ان کو پورا کمرہ دیدینا ۔"

"اچھا چھوٹے سرکار ۔"

"صبح اگر ڈیڈی پوچھیں تو کہہ دینا ۔۔۔ کیا کہہ دینا ۔۔۔ ؟ اقبال! تو نے کیا بتایا تھا ، میں بھول گیا ہوں ۔"

"یہ ہریا کے مہمان ہیں ۔۔۔ " اقبال بولا ۔

"بالکل ٹھیک ۔۔۔ !" اجے بولا ۔

"لیکن اُن کے بستر کا انتظام ۔۔۔ ؟"

"وہ بھی دیکھتا ہوں ۔۔۔ اجے بولا ۔۔۔ " ایک رات کی بات ہے ۔۔۔ ہریا کے بستر میں سو جائیں گے ۔۔۔"

"نہیں بیٹا ۔۔۔ یہ دو کمبل کافی ہیں ۔۔۔ " ماں بولی ۔

"اقبال میرا خیال ہے کہ راستہ صاف ہے ۔ میں کوٹھی کے اندر جاتا ہوں ۔ جب تو اپنے گھر جانا ۔"

"او کے ۔۔۔ " اقبال نے کہا ۔

اجیت نے جیب سے رائفل اُتاری اور اپنا اٹیچی کیس اُٹھا لیا ۔۔۔۔

"آئیے ۔۔۔ !" وہ ماں سے مخاطب ہوا۔

" آگے آگے اجیت اور پیچھے پیچھے ماں بیٹی چل دئیں۔ جہاں جیپ رُکی تھی وہاں سے تیسری کوٹھی اجیت کی تھی ۔۔۔ اجیت نے باہر ٹرنک کی طرح جائزہ لیا ۔۔۔ تمام کوٹھی سو رہی تھی۔

"بھگوان خیر کرے ۔۔۔" اجیت نے کہا۔ "جوتوں کی آواز نہ آئے"

اجیت نے ماں بیٹی کو وارننگ دی ۔۔۔

چند قدموں سے چلتے ہوئے وہ دو منزلہ کوٹھی کے عقبی حصہ میں واقع نوکروں کے کوارٹروں کے پاس پہنچے ۔۔۔ "یہ کوارٹر ہے۔ آپ فوراً اندر چلے جائیے۔ اگر زندہ رہا تو صبح ملوں گا ۔۔۔"

"جگ جگ جیو بیٹا ۔۔۔" ماں نے آشیرواد دیا۔

"جگ جگ تو ڈیڈی کے حکم سے جیوں گا۔ اگر صبح کورٹ مارشل نہ ہوا تو ملاقات ہوگی ۔۔۔" اجیت نے کہا اور کوٹھی کی طرف بڑھ گیا۔

شیلا اُسے تکتی رہی ۔۔۔

"شیلا ۔۔۔ !" ماں نے پکارا۔ "آؤ بیٹی ۔۔۔ !"

"چلو ماں ۔۔۔" شیلا نے گہرا سانس لیا۔ اور کوارٹر کے اندر چلی گئی۔

نوکر سامان لے آئے تھے۔ ماں بیٹی اُس کمرے میں سو گئیں۔

اجے صبح دس بجے سو کر اُٹھا۔ بیڈ ٹی اور باتھ روم وغیرہ سے فارغ ہوا اور رات کا خمار ذرا ہلکا ہوا تو اُسے خیال آیا کہ رات وہ ماں بیٹی کو لدھیانہ سے لایا تھا۔

نوکر سے پتہ چلا کہ ڈیڈی کام پر چلے گئے ہیں۔ اُس نے خدا کا شکر ادا کیا اور نوکروں کے کوارٹر میں پہنچا۔

شیلا غسل سے فارغ ہو کر نیا لباس زیب تن کر چکی تھی۔ اجے جب کوارٹر میں پہنچا تو وہ اُسے دیکھتا ہی رہ گیا — رات اُس نے غور ہی نہ کیا تھا کہ شیلا اتنی خوبصورت لڑکی ہے وہ ماسٹر بھرا قبال سے باتیں کرتا رہا تھا یا اپنے خیالات میں کھویا رہا تھا۔

تنہائی اور حسن — ! اجے تو کھو کر رہ گیا۔

شیلا بھی ایک منٹ تک دیکھتی رہی۔ پھر نگاہوں کی تاب نہ لا سکی۔

یکلخت اجے کو خیال آیا کہ وہ ناجائز حرکت کر رہا ہے۔
"او۔۔۔!" اجے نے اس طلسم کو توڑا۔۔۔ "میں۔۔۔ میں کہہ رہا تھا کہ۔۔۔ میرا مطلب ہے آپ نے ناشتہ کر لیا ہے۔۔۔؟"
"جی۔۔۔" شیلا نے نیچی نگاہوں سے کہا۔
"رات آپ لوگ آرام سے سوئیں نا۔۔۔؟"
"جی۔۔۔"
"آپ کی ماتا جی کہاں ہیں۔۔۔؟"
"کپڑے دھو رہی ہیں۔۔۔"
"کپڑے دھو رہی ہیں۔۔۔! آپ نے نوکر سے کہہ دیا ہوتا۔۔۔"
"نوکر آپ کے ہیں۔ ہمارا اُن پر کیا حق ہے؟" شیلا نے کہا۔
"او۔۔۔!" اجے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن رُک گیا۔
"آپ کا کورٹ مارشل تو نہیں ہوا۔۔۔؟" شیلا زیرِ لب مسکراتے ہوئے بولی۔
"ابھی نہیں۔۔۔ میں ابھی ابھی سو کر اُٹھا ہوں۔ ڈیڈی کام پر جا چکے ہیں۔ اس لئے شام کو ہوگا۔"
"کیا میں دیکھ سکوں گی کہ آپ کا کورٹ مارشل کس طرح ہوگا۔۔۔؟"
شیلا زیرِ لب مسکرا رہی تھی۔
"آپ کیوں دیکھنا چاہتی ہیں؟"
"یوں ہی۔۔۔"
"یہاں کہیں ماچس ہے۔۔۔؟" اجے نے گفتگو کا موضوع بدلا۔

"یہاں کہاں سے آئے گی ـــ؟"

"میں سگرٹ پینا چاہتا ہوں۔ آپ ذرا ساتھ کے کمرے سے اٹھا لائیے"

"آپ اپنے کمرے میں سگرٹ نہیں پیتے ـــ؟"

"پی لیتا ہوں ـــ لیکن کوئی چھوٹا بھائی یا بہن دیکھ لے تو ڈیڈی سے شکایت کر دیتے ہیں ـــ؟"

"اور ڈیڈی یہ کبھی نہ جانتے ہوں گے کہ آپ سوم رس بھی پی لیتے ہیں" شیلا نے جان بوجھ کر کہا۔

"جانتے ہیں یا نہیں۔ لیکن آج تک پکڑا نہیں گیا ہوں ـــ باتیں پھر بنایئے گا۔ میرا نشہ ٹوٹ رہا ہے۔ جا کر ماچس لا دیجئے۔" اجے نے کہا۔

"میں کسی کو نہیں جانتی ہوں ـــ میں کیونکر مانگ سکتی ہوں ـــ"

"واہ! میں آپ کو جانتا نہیں تھا۔ لیکن اتنی دور سے آیا۔ رات اتنا بڑا خطرہ مول لیا اور ایک آپ ہیں کہ میری خاطر ماچس نہیں مانگ کر لا سکتیں ـــ بڑی بے مروت اور بد لحاظ ہیں آپ ـــ!" اجے نے یوں گلہ کیا جیسے وہ اُسے برسوں سے جانتا تھا۔

"لیکن میں کیوں مصیبت میں پھنسوں ـــ؟" شیلا نے جان بوجھ کر چڑایا۔

اتنے میں باہر ہریا نظر پڑا۔ اجے نے اُسے پکارا۔ ہریا اندر آیا تو دونوں کو مشتبہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"ہریا! ماچس دو ـــ"

ہریا نے جیب سے ماچس نکال کر دی۔

"تم جاؤ۔ نئی بے نیاب۔" اجیت نے سگرٹ سلگاتے ہوئے کہا۔
ہریا چلا گیا۔ لیکن ماں آ گئی ۔ اُس کے ہاتھ میں گیلے کپڑے
تھے۔

"بیٹا تم ۔۔۔!" اُس نے اجیت کو پا کر کہا۔
"جی ۔۔۔!" اُس نے سر جھکا کر کہا۔ جیسے وہ گناہ کرتے ہوئے
پکڑا گیا تھا۔
"کھڑے کیوں ہو؟ بیٹھ جاؤ ۔۔۔" ماں نے کہا۔
"ایسے ہی ٹھیک ہوں ۔۔۔"
"او! مجھے خیال نہیں رہا۔ تم کیوں بیٹھنے لگے ۔۔۔ یہ کوارٹر تمہارے
نوکر کا ہے۔ شاید یہاں بیٹھنا تمہیں پسند نہیں ۔۔۔؟"
"ایسی بات تو نہیں ۔۔۔" کہہ کر اجیت چارپائی پر بیٹھ گیا۔ "پھر
آپ نے کیا سوچا ہے ۔۔۔؟"
"کس کے متعلق ۔۔۔!" ماں نے کپڑے پھیلاتے ہوئے کہا۔
"اب آپ کہاں رہیں گی ۔۔۔؟"
"بیٹا ہم نے کیا رہنا ہے ۔۔۔ یہاں تک تو تمہارے سہارے
آ گئے ہیں تم اس شہر میں عرصہ سے رہ رہے ہو تم ہی کوئی انتظام کر دو۔"
"یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا!" اجیت نے صاف لفظوں میں کہا۔
"کیوں ۔۔۔؟" اس بار شیلا بولی۔
"بات یہ ہے کہ میں ۔۔۔ پہاڑ پر جا رہا ہوں ۔۔۔ وہاں میں کاروبار

کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں یہاں روپئے لینے آیا تھا۔ لیکن اس گھر میں میرا ریکارڈ بہت گم شدہ ہے۔ میں ساڑھے تین برس فوج میں رہا ہوں۔ مجھے پانچسو روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی ۔۔ لیکن میں ہر ماہ گھر ۔۔ سے روپیہ منگایا کرتا تھا۔ اب اس کاروبار کیلئے مجھے پانچہزار روپے کی ضرورت ہے ۔۔ میں جانتا ہوں مجھے یہ رقم نہیں مل سکتی ۔۔ اسی لئے میں بہن کو لینے گیا تھا تاکہ اُن کی سفارش پر روپیہ مل جائے۔ وہ ساتھ تو آئی نہیں ہیں ۔۔ مجھے اُنہوں نے خط دیا ہے ۔۔ مجھے یقین ہے کہ اس خط کی بنا پر مجھے روپیہ مل جائے گا ۔۔ ڈیڈی تو ایک پیسہ نہ دیں گے۔ آج نہیں تو کل روپیہ مل جائے گا ۔۔ اور میں پہاڑ پر چلا جاؤں گا ۔۔" لجے نے وجہ بتائی ۔۔ "آپ کا یہاں رہنا مناسب نہیں ۔۔ آپ کی شکل و صورت دیکھ کر ڈیڈی کبھی یقین نہ کریں گے کہ آپ ہریا کے مہمان ہیں۔ غریب ہریا کی شامت آجائے گی ۔۔ اس کے بعد میرا نمبر آئے گا ۔۔"

"آپ یہاں ہی کیوں نہیں رہ جاتے ۔۔؟" شیلا نے کہا۔

"یہاں ۔۔!" لجے غرایا ۔۔ "آپ دیکھ نہیں رہی ہیں۔ سگرٹ تک مجھے نوکروں کے کوارٹر میں پینے پڑتے ہیں۔ وہاں آزادی ہوگی ۔۔ خود مختاری ہوگی۔ خدا جانتا ہے میں دو دن کیسے کاٹوں گا؟"

"بیٹا اس مصیبت سے تو نکل آگئے ہیں۔ اب تم ایک آدھ کمرے کا انتظام کر دو......"

"مصیبت ۔۔ مصیبت ۔۔ آپ کل شام سے یہی رٹ لگائے جا رہی ہیں

پہلے آپ کی داستان سُن لوں ۔۔ " اجے نے کہا۔

" ہماری کہانی ۔۔ " ماں نے گہرا سانس لیا ۔۔ اور بیٹھ گئی ۔ پھر اُس نے آنسوؤں کے ساتھ خاوند کی موت سے لے کر گذشتہ شام تک کی داستان مختصر طور پر سُنائی ۔ اس نے کرمچند اور سیوک رام کے لگائے گئے الزامات بھی سُنا ڈالے ۔

" اب تم ہی بتاؤ بیٹا ! کیا میں زندگی میں دو بار بیوہ نہیں ہوئی ہوں ؟ پہلی بار اُس روز ہوئی تھی جب شیلا کے پتاجی سورگباش ہوئے تھے ۔ دوسری بار اُس روز جب میرا جوان بیٹا قتل ہوا ۔ اگر یہ لڑکی نہ ہوتی تو میں نے کب کی خودکشی کر لی تھی ۔۔ اب اس جوان لڑکی کو کہاں لے جاؤں ۔۔ جب میں بیوہ ہوئی تھی کشور پانچ برس کا تھا لیکن وہ لڑکا تھا ۔۔ لڑکا یا مرد ایک سہارا ہوتا ہے ۔۔ "

اجے اُس کی داستان سُن کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا ۔

" آپ کی داستان بہت دردناک ہے ۔ لیکن میں دعا نہیں کرتا کیونکہ میرے پاس وقت بہت کم ہے ۔ میں ڈیڈی سے آپ کی سفارش نہیں کر سکتا ۔ اور یہ بھی یاد رکھیئے کہ آپ کا یہاں رہنا مناسب نہیں ڈیڈی بعض اوقات اچھے بھلے آدمی کی بے عزتی کر دیتے ہیں ۔ ہاں میں اقبال سے کہہ جاؤں گا ۔ وہ کوشش کر کے دو چار روز میں آپ کی رہائش کا انتظام کر دے گا ۔ "

شیلا کا دل ڈوب گیا ۔۔

"آپ پہاڑ پر ہوٹل میں رہ رہے ہیں؟" شیلا نے پژمردہ لہجہ میں کہا۔

"جی نہیں۔ آدھی کوٹھی کرائے پر لے رکھی ہے۔"

"کتنے کمرے ہیں؟"

"تین۔"

"دیکھئے ہمارے لئے دہلی ہو یا کوئی پہاڑ ـــ ایک بات ہے ـــ ہمیں اب زندگی کے دن کاٹنا ہیں۔ آپ ہمیں بھی ساتھ لے چلیے۔ کم از کم آپ کے نوکر کا خرچ تو بچ جائے گا ـــ"

"میں سمجھا نہیں ـــ"

"جہاں ہم ماں بیٹی کھانا بنائیں گے وہاں آپ کیلئے بھی پک جائیگا کل تمام راستے میں آپ اپنے دوست سے کہہ رہے تھے کہ نوکروں یا ہوٹل کا کھانا کھا کر آپ تنگ آ چکے ہیں ـــ" شیلا نے کہا۔

انیجے نے جواب نہ دیا۔

"کس سوچ میں کھو گئے ہیں آپ؟ کیا میری تجویز پسند نہیں آئی آپ کو ـــ؟" شیلا نے کہا۔

"پسند کی بات نہیں۔ ڈیڈی کو پتہ چل گیا تو ...."

"بیٹا تم نے آدھی کوٹھی کرائے پر لے رکھی ہے تم ایک کمرہ کرایہ پر دے سکتے ہو۔ یہ کوئی غلط بات نہ ہوگی ـــ" ماں بولی ـــ "تم یہاں رہائش کا انتظام نہیں کر سکتے۔ لیکن وہاں تمہارے پاس تین کمرے ہیں۔"

تم ایک کمرہ دے دینا۔ کھانا نہ کھانا ہمارے ساتھ ـــ"

"بات تو جچتی ہے لیکن ......"

"کورٹ مارشل سے ڈر رہے ہیں آپ ـــ ؟" شیلا نے لقمہ دیا۔

اجے ہنس پڑا ـــ "اچھا شام کو بتاؤں گا ـــ یہ بات اتنی آسان نہیں جتنا آپ سمجھ رہی ہیں ـــ ممی سے چیک وصول کر لوں اگر چیک نہ ملا تو وہاں جا کر کیا کروں گا ـــ"

"ہاں بیٹا! جلدی نہیں ـــ" ماں نے کہا۔

اُس شب اجے آرام کی نیند نہ سو سکا۔ شیلا اُس کے ذہن میں سما گئی تھی ـــ

چوتھے روز اجے۔ شیلا اور اُس کی ماں پہاڑ پر تھے
ویران کمرے گھر بن گئے۔

قریب نے دونوں کو آزادی دے دی۔ سردی کی وجہ سے پہاڑ
خالی تھا۔

ایک روز اجے نے شیلا سے کہا ۔ "شیلا! میں آج سے
تمہیں شیلی کہوں تو؟"

"شوق سے کہئے ۔" شیلا نے خمار آلود نگاہوں سے دیکھتے
ہوئے کہا۔

شیلا ایک ماہ میں شیلی بن گئی تھی ۔

مئی میں سیزن شروع ہوا۔ دوکان چل نکلی اور وقت گذرنے لگا۔ حالات بہتر ہو گئے۔

ایک روز دوپہر کو تار آیا ۔۔۔ اجے نے تار کھول کر پڑھا تو گھبرا اُٹھا۔

وہ سیدھا گھر بھاگا۔

شیلی گھر پر ہی تھی۔

"شیلی! تمہاری ماں کہاں ہے؟" اجے نے پھولے سانس سے پوچھا۔

"بازار گئی ہے ۔۔۔ لیکن آپ اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہیں؟"

"شیلی موت آرہی ہے ۔۔۔"

"کس کی ۔۔۔؟"

"یہ مت پوچھو ۔۔۔"

"یہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے؟"

"تار ۔۔۔"

"کہیں کا ۔۔۔؟"

"ڈیڈی کا ۔۔۔"

"ڈیڈی کا ۔۔۔!!" شیلا صوفے سے اُٹھ کھڑی ہوئی ۔۔۔۔

"سب ٹھیک ہے نا؟"

"کہاں ٹھیک ہے، وہ یہاں آرہے ہیں اُنہیں سب پتہ چل گیا ہے۔"

"کس بات کا ۔۔۔؟"

"کہ میں نے تمھارے ساتھ شادی کر لی ہے ـــ"

"اب جاکر پتہ چلا ہے ـــ! لیکن شادی تو چار ماہ پُرانی ہو گئی ہے۔ آپ نے تو کہا تھا کہ اُنہیں ......"

"نہیں! میں نے تم سے جھوٹ کہا تھا۔ میں نے بتایا نہیں تھا اُنہیں ـــ میرے خدا! اب کیا ہوگا ـــ؟" لجیے نے گھبراہٹ آمیز لہجہ میں کہا "کیا۔ کیا وہ مجھے بہو نہ سمجھیں گے ـــ؟"

"سمجھیں گے کیوں نہیں خصوصاً اس حالت میں جب تم بچے کی ماں بننے جا رہی ہو زیادہ سے زیادہ کیا کریں گے، جائیداد سے محروم کر دیں گے ـــ"

"جائیداد کی پروا نہیں مجھے۔ میں دال روٹی میں بھی خوش ہوں۔ لیکن وہ مجھے نہیں تو کم از کم میرے بچوں کو خاندان کا حصہ ضرور سمجھیں ـــ"

"اتنا کے نہ سمجھنے پر بھی وہ اُن کے پوتے پوتیاں کہلائیں گے ـــ" اچھے نے کہا۔

"نہیں! میں ایسا نہیں چاہتی۔ میں جانتی ہوں کہ میں یتیم لڑکی تھی جس کا دُنیا میں کوئی نہ تھا۔ شاید آج میں سڑکوں پر دھکے کھا رہی ہوتی اگر آپ نے سہارا نہ دیا ہوتا۔ آپ کو مجھ سے لاکھ درجہ بہتر لڑکیاں مل سکتی تھیں۔ جو ایثار و قربانی آپ نے میری خاطر کی ہے ـــ اُس کی یہ قیمت نہیں ڈالی جا سکتی کہ آپ کی اولاد خاندان کا حصہ نہ رہے۔ یہ میری موت سے بدتر ہوگا۔" شیلا نے سہم کر کہا "لیکن اب اسی میں بہتری ہے کہ وہ تمہیں بہو تسلیم کر لیں۔ مجھ سے صرف ایک بھول ہو گئی ہے ـــ"

"کونسی ___؟"

"مجھے ممی کو بتا دینا چاہئے تھا۔ ضروری بات ہے۔ میری لغزشوں کو معاف کرتی آئی ہیں۔ اسے بھی سنبھال لیتیں ___"

"شاید وہ ساتھ آئیں ___" شیلا نے خود کو حوصلہ دینا چاہا۔

"شاید ___"

"کب آ رہے ہیں ___؟"

"آج شام کو ___"

"میں بھی چلوں گی اُن کا استقبال کرنے ___"

"نہیں شیلی! میں نہیں چاہتا کہ وہ شارع عام پر تمہارا کورٹ مارشل کریں۔ انہیں جو کچھ کرنا ہے گھر کی چار دیواری میں کریں۔ آخر یہ گھر ہے۔ میں دھرم شالہ میں نہیں رہ رہا ہوں ___" اجے نے کہا۔

اُس شام اجے ریلوے سٹیشن پر پہنچا۔ گاڑی سے صرف ممی اُتریں۔

اجے نے اُن کے پاؤں چھو لئے۔

"ممی! ڈیڈی نہیں دکھائی دیتے ___؟"

"وہ نہیں آئے ___"

"کیوں ___؟"

"اُنہوں نے تمہیں تار دینے کے بعد ارادہ بدل دیا۔ لیکن بیٹا! یہ تم نے کیا کر ڈالا ہے۔ ایسا چوری کی ضرورت کیا تھی؟

ممی گھر چلو میں سب کچھ بتا دوں گا ___"

قلیوں نے سامان اُٹھایا اور وہ کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔

"کب شادی کی ہے تم نے؟"

"چار ماہ ہوئے ۔۔۔"

"لڑکی کون ہے۔ کہاں کی رہنے والی ہے۔ اس کا خاندان ۔۔۔ تم نے کم از کم مجھے ہی بتا دیا ہوتا ۔۔۔" ممی نے گلہ کیا۔

"ممی غلطی ہو گئی۔ لیکن بتا دیتا تو یہ شادی کبھی نہ ہوتی۔ گھر چلو میں سب کچھ بتا دوں گا ۔۔۔"

"بیٹا تم تمام عمر ایسی ہی حرکتیں کرتے رہے ہو۔ تمہارے ڈیڈی تمہاری اسی حرکت پر بے حد ناراض ہیں۔ پہلے دن آنے کو تیار ہو گئے۔ پھر کہا ۔۔۔ "نہیں ۔۔۔ میں ایسے نالائق کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔ جو مجھ سے زیادہ عقلمند اور ہوشیار بنا پھرتا ہے ۔۔۔"

"لیکن ممی! تم خود ہی سوچو ......" اجیت نے کچھ کہنا چاہا۔

"بیٹا! شادی بیاہ اس طرح ہوتے ہیں ۔۔۔؟ تمام رشتہ دار اور برادری والے مذاق اُڑا رہے ہیں۔ تم نے ایک منٹ کیلئے کبھی نہ سوچا کہ تمہاری دو بہنیں ابھی کنواری ہیں۔ تمہاری اس حرکت سے اُن پر کیا اثر پڑیگا۔ لوگ اب سو سو طرح کی باتیں بنا رہے ہیں۔ کیا یہ درست نہیں کہ تم نے جس لڑکی سے شادی کی ہے اُسے کسی رفیوجی کیمپ سے اُٹھا کر لائے ہو؟"

"نہیں ممی! یہ جھوٹ ہے ۔۔۔!"

"کیا وہ پاکستان میں نہیں رہ گئی تھی ۔۔۔؟"

"نہیں نہیں! ممی! ایسی باتیں کون کر رہا ہے؟"

"کیوں نہ کرے کوئی۔ آخر تم نے موقع فراہم کر دیا ہے۔ کیا خاندان، ننگ و ناموس عزت، برادری کوئی شے نہیں۔ کیا اسی طرح شادی بیاہ ہوتے ہیں؟ پھر دنیا بات کا بتنگڑ کیوں نہ بنائے ——!"

"ممی! اس لڑکی کی ماں زندہ ہے، ہماری باقاعدہ شادی ہوئی ہے یہ درست ہے کہ اس نے لمبا چوڑا جہیز نہیں دیا۔ لیکن اس نے بیس تولے سے زیورات دیے ہیں۔ لڑکی کو گیارہ سوٹ۔ ساڑھیاں —— مجھے گیارہ سو روپے نقد —— اور بہت کچھ۔ یہ درست ہے کہ شادی ہمارے خاندان کے سٹینڈرڈ کے مطابق نہیں ہوئی۔ پچاس ساٹھ ہزار کا جہیز نہیں آیا —— لیکن چار پانچ ہزار کا ضرور آیا ہے ——"

"جہیز کا سوال نہیں —— میں ایک بات پوچھتی ہوں —— اس بات کا جواب دیے"

"پوچھو ممی!"

"اس نے بیس تولے زیور دیا ہے۔"

"ہاں ——"

"اور تو نے کیا دیا ہے —— ؛ شادی باقاعدہ ہوئی ہے۔ یہی کہا ہے نا تو نے؛ اور اس "باقاعدگی" میں ماں کی ضرورت نہ تھی، باپ کی ضرورت نہ تھی، بہن اور بھائیوں کی ضرورت نہ تھی۔ سبیتا کو تم کتنا پیار کرتے ہو۔ اور کسی کو نہیں تو کم از کم سبیتا کو ہی بلا لیا ہوتا —— اس غریب کے دل کو تم نے کس بری طرح سے توڑا ہے۔ ہر کسی کا ارمان کچل ڈالا

"ہاں! میں مانتا ہوں کہ میں گنہگار ہوں۔ تم یہ سب ارمان جنک کی شادی میں پورے کر لینا۔ مجھے اچھوت سمجھ کر خاندان سے الگ کر دو۔" اجے نے کہا۔

"کیا بات کہی ہے۔ شرم نہیں آتی۔ بیوقوف! ابھی جوانی کا نشہ ہے ذرا باپ بن لے، پھر پتہ چلے گا۔ اولاد کا کیا دکھ ہوتا ہے۔ میں تیری ماں ہوں۔ اگر میں نے تجھے جسم کا فالتو حصہ سمجھا ہوتا تو یہاں کیوں آتی؟ تیرے ڈیڈی تجھ سے ناراض ہو سکتے ہیں ماں نہیں۔"

"میری اچھی ممی!" کہہ کر اجے سڑک پر چلتے چلتے ماں سے لپٹ گیا۔

"چل چھوڑ۔ پگلا کہیں کا۔ یہ بتا بہو کیسی ہے؟"

"لاکھوں میں ایک۔ ایسی خوبصورت لڑکی دس برس ڈھونڈ لینے کے بعد ملتی۔"

"کہیں شکل و صورت پر تو نہیں پھسل گیا؟"

"نہیں ممی! سیرت بھی بہت اچھی ہے۔ خیر گھر چل کر دیکھ لینا۔"

"میں جانتی ہوں۔ لیکن......"

"لیکن جی کچھ کام ایسے بھی کرنے پڑتے ہیں جو کہ عام آدمی نہیں کر سکتے" اجے بول پڑا۔

"... وہ تو نے کر دکھایا ہے..."

شمیلا بے تاب و مضطرب بار بار سڑک کو دیکھ رہی تھی۔ جب اُس نے

ماں بیٹے کو آتے دیکھا تو گھبرا اُٹھی۔ ڈیڈی شاید پیچھے آ رہے ہوں۔ یہ سوچ کر اس کا دل دھڑکنے لگا ــــ پاؤں لرزنے لگے ــــ اور خوف سے حلق سوکھ گیا ــــ اُس نے اپنی ماں کو بازار بھیجدیا تھا۔

ماں بیٹا گھر میں داخل ہوئے تو شیلا نے ساس کے پاؤں چھوئے
"جگ جگ جیو ــــ" ماں نے اُسے آشیرواد دیا ــــ اور گلے لگا لیا۔

"بہو! یہ تو پیدا ہی نالائق ہوا تھا تو نے کبھی سوچا کہ کس خاندان کی بہو بن رہی ہے ــــ اُس خاندان کا بیٹا چھین کر اپنا تو لیا۔ لیکن یہ نہ سوچا کہ اس کی بھی کوئی ماں ہوگی۔ اس نے بھی کسی کوکھ سے جنم لیا ہوگا ــــ" کہہ کر ممی رونے لگی۔

شیلا کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہو گئے۔ ممی نے اُس کے آنسو ڈوپٹے میں جذب کر لئے۔ پھر اُس کے رُخسار پر بوسہ دے کر بولی۔

"پگلی! کسی کوکھ جائے کو سہاگ تو بنا لیا ہے لیکن یاد رکھنا جب ماں بنو گی تو پتہ چلے گا کہ اولاد کا دُکھ کیا ہوتا ہے ــــ پھر کبھی اندازہ کر سکو گی کہ بیٹے کے ماتھے پر سہرا دیکھنے کی آرزو ماں کے دل میں کتنی ہوتی ہے۔" ممی اُسے گلے لگا کر رونے لگی۔

"ممی ــــ!" اجے بولا ــــ "چائے تو پی لو ــــ" اجے کا دل بھر آیا تھا ــــ ممی خوش تھی۔ لیکن یہ خوشی آنسوؤں سے ظاہر کی جارہی تھی۔

"ہاں اب چائے ہی پلائے گا تو ــــ؟" ممی نے کہا۔

"کیوں نہیں۔ اب میرا گھر ہے آپ کی بہو ہے ــــ"

"ساری عمر مجھے تڑپایا ہے اور اب گرم پانی سے خوش کرنے کی کوشش

کر رہا ہے ـــ" مالتی نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا ـــ "چل! اب تیری چائے پی لوں ـــ" کہہ کر ممی نے شیلا کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور اُس کے سہارے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں پہنچی۔

چائے کا سامان میز پر قرینے سے لگا تھا۔

"آپ بیٹھئے میں چائے کا پانی لے آؤں ـــ!" شیلا نے ممی سے کہا۔

"تو لائے گی ـــ!" ممی حیرت سے بولی ـــ "کیا گھر میں نوکر نہیں ہے؟"

"ممی! یہ رکھنے نہیں دیتی ـــ"

"میں نہیں جان سکی کہ تجھے فوج میں لیفٹیننٹ کسنے بھرتی کیا تھا ـــ؟" مالتی نے ڈانٹا اور کرسی پر بیٹھ گئی ـــ" وہاں کتّے کو سیر کرانے کیلئے نوکر ہے۔ اور تو یہاں بہو سے کام کراتا ہے۔ شرم نہیں آتی ـــ!"

"ممی! یہ بہت اچھا کام کرتی ہے ـــ" اجے نے مسکرا کر کہا۔

شیلا کمرے سے چلی گئی تھی۔ لیکن دروازے کے ساتھ لگ کر ماں بیٹے کی باتیں سُن رہی تھی ـــ"

ممی! بہو پسند آئی!"

"آئی تو ہے ـــ"

"میرا انتخاب دیکھا ـــ؟"

"انتخاب تو ٹھیک ہے ـــ لیکن یہ تیا کیا تو لنڈورا تھا ـــ شریف گھرانوں کے لڑکے اس طرح چوری چھپے شادی کرتے ہیں؟"

"ممی بہو پسند ہے نا! سب ٹھیک ہے!"

"اجے! میں نے اس لڑکی کو کہیں دیکھا ہے —"

"سپنے میں دیکھا ہوگا —"

"سپنے میں نہیں۔ میں کہتی ہوں میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔ اس وقت مجھے یاد نہیں آرہا ہے —"

"کوئی بات نہیں۔ یاد کرلو۔ میں پھر بتا دوں گا —"

شیلا دروازے کے پیچھے چھپی مسکرا دی۔ اجے کس آسانی سے اتنی بڑی بات پر پردہ ڈال رہا تھا — وہ باورچی خانہ سے چائے کا پانی لے کر ڈرائنگ روم میں پہنچی۔

"بیٹھو بہو —!"

شیلا سمٹ کر بیٹھ گئی۔

"واہ ری بہو! تو بھی کس گھر کی بہو بنی ہے۔ یہ ارمان تھے اس گدھے کی شادی دیکھنے کے —" کہہ کر ممی نے گلے سے سونے کا وزنی ہار اُتار کر شیلا کے گلے میں ڈال دیا — "اس وقت یہی ہے میرے پاس! لیکن میں نے منہ دکھائی کیلئے تین ہزار کا جڑاؤ سیٹ بنوایا تھا —"

"اب دے دو —" اجے نے کہا۔

"اب تو دوں گی ہی۔ لیکن تو نے ......"

"ممی! اِسے ہی دیئے جا رہی ہو سب کچھ — مجھے نہیں دو گی؟"

"تجھے —!" ممی مسکرا دی — "ایک بات بتا —!"

"پوچھو —!"

"شکر ...؟" شیلا ممی سے مخاطب ہوئی۔
"چار چمچے ڈال دے شیلی ــ!" اجے بول پڑا۔
"چار کیوں؟ میں صرف ایک چمچہ پیتی ہوں ــ"
"آج خوشی میں موتہہ میٹھا کر لو نا ــ" اجے اترایا۔ "ہاں ممی! وہ کیا بات پوچھنے لگی تھیں ــ؟"
"میں پوچھنے لگی تھی ــ جب اکیلا تھا تو جو کماتا تھا کھا جاتا تھا اور اُس کے بعد ہر ماہ مجھ سے مانگا کرتا تھا ــ میں حیران ہوں کہ گزشتہ سات آٹھ ماہ سے تو نے کچھ نہیں منگایا مجھ سے ــ"
"دیکھ لو ممی! یہ سب اس کی کرامات ہے۔ ویسے اسے وہ بڑا ہار بھی دے رہی ہو نا۔ وہ تین ہزار والا ــ" اجے ہنس کر بولا۔
"اسے کیا دے رہی ہوں تو کیوں ذکر کرتا ہے ــ"
"اچھا ممی! ایک میرا کام کر دو۔"
"کون سا ــ؟"
"میں یہ کوٹھی خریدنا چاہتا ہوں ــ"
"کتنے کی ہے ــ"
"گیارہ ہزار کی ہے ــ"
"تیرے پاس کتنے پیسے ہیں ــ؟"
"میرے پاس تو ایک روپیہ بھی نہیں ــ جو کماتا ہوں کھا لیتا ہوں ــ"

"کوئی نئی بات نہیں — !
"پھر وعدہ کرو کہ یہ کوٹھی خرید دوگی مجھے، دیکھ لو۔ بڑی سستی مل رہی ہے"
"اپنے ڈیڈی سے کیوں نہیں کہتا؟"
"ڈیڈی سے — !! کورٹ مارشل کرانا ہے اپنا —" اجے نے کچھ اس انداز سے کہا کہ شیلا کو ہنسی دبانا مشکل ہو گیا۔ ممی بھی مسکرا دی۔
چائے کے بعد ماں نے وہ کپڑے اور زیورات بہو کو دیدئے۔ جو دینے کیلئے لائی تھی۔

اس شب جب شیلا اور اجے ایک ہی پلنگ میں سو رہے تھے تو اجے بولا۔
شیلی میری ممی دیکھی۔
"ہاں بہت اچھی ہیں —"
"اب صرف ایک ارمان رہ گیا ہے —"
"اگر کبھی کرمچند مل گیا تو —"
"کیا کیجئے گا —؟"
"بس دیکھ لینا —"
"پھر بھی —"
"اُسے قتل کر دوں گا — ایسے کمینے انسان کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔"

"نہیں! آپ ایسی بات نہ کیا کیجئے۔ آپ جب بھی ایسی بات کرتے ہیں میرا دل کانپ اُٹھتا ہے" شیلا نے سہم کر کہا۔ آپ اس دُنیا میں زندگی دینے کیلئے پیدا ہوئے ہیں۔ لینے کیلئے نہیں۔"

ممی ایک ہفتہ رہ کر دہلی چلی گئی۔ وہ گیارہ ہزار کا چیک دے گئی تھی۔ اجے نے کوٹھی شیلا کے نام سے خرید لی۔

وقت گذرتا رہا۔۔۔ پھر اروند پیدا ہوا۔
ممی ہر سال چند روز کیلئے آجاتی۔ ہر کوئی ملنے آیا۔ لیکن ڈیڈی نہ آئے۔۔ اجے بھی ضد کا پکا نکلا۔ وہ بھی ڈیڈی سے ملنے نہ گیا۔
شیلا کو دنیا بھر کی دولت حاصل ہوگئی تھیں۔۔ اچھا خاوند۔ گھر۔۔ جائیداد۔ بیٹا۔۔ دولت۔۔
اروند چار برس کا ہوا تو ایک لڑکی نے جنم لیا۔ لیکن وہ چھ روز کی ہو کر مر گئی۔

پھر ایک روز شیلا کی ماں بھی مر گئی۔

ایک روز شیلا دوکان میں داخل ہوئی تو وہ گھبرائی ہوئی تھی

"کیا بات ہے شیلی! بڑی گھبرائی ہوئی ہو ——" اجے نے پوچھا۔

"میں نے ابھی ابھی کرم چند کو دیکھا ہے —— میں اِدھر آرہی تھی اور اُس سے تصادم ہوگیا۔"

"کہاں ہے وہ —— ؟" کہہ کر اجے دروازے میں پہونچا۔ شیلا بھی اُس کے پاس پہونچ گئی۔

"وہ نیلے کوٹ والا ——"

"جس نے عینک لگا رکھی ہے ——"

"ہاں ——"

"جس نے مُڑ کر دیکھا ہے ——"

"ہاں ——"

"تو یہ ہے وہ کمینہ ۔۔۔!" کہہ کر اجیئے بیز کی طرف بڑھا اور دوسرے لمحے اُس کے ہاتھ میں چاقو تھا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں ۔۔۔؟" شیلا نے اُسے روکا۔

"جو کہا کرتا تھا وہ کرنے جا رہا ہوں ۔۔۔"

"نہیں نہیں! ہم کو اس نیچ سے کیا لینا ہے ۔۔۔"

"لیکن میں اُسے سزا دینا چاہتا ہوں ۔۔۔" کہہ کر اجیئے نے خود کو چھڑایا اور باہر بھاگ گیا۔

شیلا چلاتی ہوئی اُس کے پیچھے دوڑی۔

اجیئے نے جا کر کرم چند کو پکڑ لیا۔

"تمہارا نام کرم چند ہے ۔۔۔" اجیئے نے اُکھڑے سانس سے کہا۔

"ہاں ۔۔۔" وہ سمجھ نہ سکا کہ ماجرا کیا ہے ۔۔۔!

"کمینے ۔۔۔!" اجیئے نے کہا۔ اور اُس پر چاقو سے وار کر ڈالا۔ چاقو کرم چند کے بازو میں پھنس کر رہ گیا۔ اجیئے نے اُسے نکالنے کی کوشش کی ۔۔۔ بیشتر اس کے کہ وہ چاقو نکال کر اس پر دوسرا وار کرتا۔ کرم چند نے کوٹ کی جیب سے پستول نکالا اور اجیئے پر گولی چلا دی۔ گولی اجیئے کے دل پر لگی۔ اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

بازار میں ہنگامہ ہو گیا۔ لوگوں میں ہمت نہ تھی کہ وہ کرم چند کو پکڑ سکتے اُس کے ہاتھ میں پستول تھا۔

شیلا دھاڑ مار کر خاوند کی لاش سے لپٹ گئی۔

کرم چند گرفتار ہو گیا۔ اُس پر مقدمہ چلا۔ اُس نے بیان دیا کہ اس نے ذاتی بچاؤ کی خاطر گولی چلائی تھی۔
تین ماہ تک مقدمہ چلتا رہا۔ انجام کار کرم چند کو تین سال کی قید بامشقت ہو گئی۔
لیکن شیلا کا سہاگ لُٹ گیا۔ کرم چند کو اگر پھانسی بھی ہو جاتی تب بھی اُس کا سہاگ نہ لوٹ سکتا تھا۔
یہ خبر دہلی پہونچی۔ وہاں سے ممی آئی۔
پھر ڈیڈی نے جنک کو بھیجا۔ اور حکم دیا کہ کوٹھی اور دوکان فروخت کر کے اروند کے ساتھ دہلی پہونچ جاؤ۔

شیلا ماضی سے نکل آئی۔
اروند اوپر کی برتھ پر سو رہا تھا۔ جنک بھی گہری نیند سو رہا تھا۔
اور ریل گاڑی پوری رفتار سے بھاگ رہی تھی۔
آدھ گھنٹے بعد کمپارٹمنٹ کے دیگر مسافر ایک ایک کر کے بیدار ہونے لگے۔ باہر صبح کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔
کچھ دیر بعد جنک آنکھیں ملتا ہوا نیچے اُتر آیا۔

"بھابھی! سوئی نہیں آپ؟"

"نیند نہیں آئی ـــ" شیلا نے اُداس لہجہ میں کہا۔

"نیند نہیں آئی! ـــ اگر اس ڈرافٹ اور نقدی کی فکر تھی تو مجھ سے کہا ہوتا۔ میں جاگتا رہتا ـــ"

"نہیں بھیا! ایسی بات نہ تھی ـــ"

"ذرا شکل تو دیکھو آئینے میں! رات رات میں چہرہ کتنا اُتر گیا ہے جیسے تم چالیس برس کی ہو گئی ہو ـــ"

شیلا نے جواب نہ دیا۔

اروند بھی جاگ اُٹھا۔ شیلا نے اُسے نیچے اُتارا اور باتھ روم میں لے گئی۔

گاڑی دہلی سٹیشن پر رُکی ـــ اُنہیں کوئی بھی لینے نہ آیا تھا۔ جنک نے سامان قلیوں کے سر پر اُٹھوایا اور باہر نکلے ـــ

"حد ہو گئی ہے ـــ" جنک نے کہا۔

"کیوں؟ ـــ" شیلا نے آہستہ سے کہا۔

"یہاں کار ہی نہیں ہے ـ حالانکہ میں نے کل چلنے سے پہلے تار دیدیا تھا ـــ"

"تار ملا نہ ہوگا ـــ" شیلا نے کہا۔

ٹیکسی سڑک پر دوڑنے لگی۔

"بھیا! کچھ عجیب سا لگتا ہے"

"کیا بھابھی"

"ڈیڈی کیا سوچیں گے۔ جس گھر میں مجھے دولہن کی حیثیت سے داخل ہونا چاہیے تھا۔ وہاں میں بیوہ بن کر جا رہی ہوں۔ وہ کہتے ہوں گے۔ بہو نے بیٹے کو کھا لیا۔"

"بھابھی ایسی بات نہ کہو۔ جا کر دیکھو گی رو دو گی۔ ڈیڈی کی حالت نہ دیکھ سکو گی۔ ڈیڈی کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ جانتی ہیں آپ! جب مجھے آپ کو لانے کیلئے بھیجا تو صرف ایک بات کہی تھی۔" ابھے چلا گیا ہے۔ جا کر اروند کو لے آؤ۔ کہیں اُسے کچھ ہو نہ جائے۔ اگر بہو آنے سے انکار کرے تو کہہ دینا کہ میری لڑائی بیٹے سے تھی۔ بہو سے نہیں۔" کہتے کہتے جینک کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور آواز بھاری ہو گئی۔

شیلا سوچ رہی تھی۔ کیا کوئی بہو اس طرح سُسرال گئی ہے۔

ٹیکسی دوڑ رہی تھی۔

شیلا نے اروند کے سر پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ اُس نے ایک روز اجے سے کہا تھا۔

"آپ اس دُنیا میں زندگی دینے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔

لینے کیلئے نہیں ۔"

اجے نے ایک بار کسی کی زندگی لینے کی کوشش کی ——— ۔ لیکن اپنی گنوا بیٹھا۔

خـتـم

سٹار پاکٹ بکس سیریز۔ ۸۱

ہمدم

"......اس سماج میں اچھے اور برے دونوں قسم کے لوگ ہیں۔ لیکن بعض اوقات اچھے لوگ اچھائی کی خاطر سزا پا لیتے ہیں — برے آدمی کو سماج یا خدا سزا دیتا ہے۔ لیکن اچھے آدمی سزا کیوں پاتے ہیں؟"

یہ ہے اس دور کے مقبول ترین ناول نگار دت بھارتی کے اس نئے ناول کا پلاٹ — جو آپ کے پیش خدمت ہے۔